حلال وحرام

(چند اہم مباحث)

مفتی شعیب عالم
استاذ ومعاون مفتی جامعه علوم إسلامیه
علامه محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبۃ السنان کراچی

نام کتاب   :..............................حلال وحرام (چند اہم مباحث)

مصنف   :..................................مفتی شعیب عالم

تعداد اشاعت:..................................... 1100

اشاعت   :.................................. اوّل

سن اشاعت   :................................. ۱۴۳۹ھ 2018ء

ترتیب وتزئین:...............................کلیم اللہ (03152403140)

برائے رابطہ

0333-3136744

تقریظ

حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ العالی

الحمد لله رب العالمین، والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آله وصحبه أجمعین. أما بعد:

حلال وحرام کی پہچان امر خداوندی ہے، حلال وحرام کے شرعی احکام کا تعلق اسلامی زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ ہے، ان تمام شعبوں میں حلال وحرام کی رعایت رکھنا مسلمان کے فرائض میں شامل ہے، بالخصوص خوراک اور پوشاک تو ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے، ان دو چیزوں میں حلال وحرام کی پہچان، رعایت اور عملی احتیاط کرنا ہر مسلمان پر بقدر ضرورت فرض عین کے درجہ میں ہے۔

مگر آج کل مسلمان اس فریضہ سے آگاہی حاصل نہیں کر رہے یا پھر خوردنی اور استعمالی اشیاء کی بہتات کی وجہ سے حدِ امتیاز سے نابلد ہوتے جارہے ہیں، اس ضرورت کے تحت دنیا میں ''حلال اتھارٹیز'' کا قیام بڑی تیزی سے عمل میں آرہا ہے اور مسلمانوں میں ''حلال آگاہی'' کا شعور بھی بیدار ہونا شروع ہوا ہے، جس کی بدولت مسلمان بالخصوص غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمان حلال وحرام مصنوعات کی پہچان کیلئے حلال اتھارٹیز کے ''لوگو'' پر انحصار کرنے لگے ہیں، جس پروڈکٹ پر حلال کی علامت نہ

ہواس سے اجتناب کی کوشش کرتے ہیں، یہ جذبہ انتہائی نیک ہے مگر حلال وحرام کے بنیادی اصول وقواعد کیا ہیں؟ افراد اور سرکار کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ حلال سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا مجاز کون ہے یہ موضوعات اہل علم کے گہرے غور وخوض کے متقاضی ہیں۔

الحمدللہ! انہی بنیادی موضوعات کو احاطہ کرتے ہوئے اس ضمن میں مزید کئی امور پر ہمارے دارالافتاء کے مفتی، مولانا مفتی شعیب عالم سلمہ نے قلم اٹھایا اور خوب محنت، تحقیق اور تدقیق سے اپنا مدعا واضح فرمایا ہے، جو اہل علم کیلئے اس موضوع پر تحقیق وتخریج کی قابل قدر مثال ہے اور حلال اتھارٹیز کیلئے مستند رہنمائی کا سامان بھی ہے۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقیع، شائستہ اور علمی کاوش کو شرف قبولیت بخشے، مؤلف عزیز کے علمی وقلمی زور کو مزید جلاء وبرکت سے نوازے، آمین!

وصلى الله وسلم على المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين.

فقط والسلام

(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر

مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

عرضِ مؤلف

حلال وحرام کا دائرہ بڑا وسیع ہے مگر آج کل اس سے غذا، ادویات، آرائش کے آلات اور چند دیگر مصنوعات کا حلال یا حرام ہونا مراد ہوتا ہے۔ یہ اگرچہ حلال وحرام کا محدود تصور ہے مگر اس تصور و مفہوم پر بھی باقاعدہ ایک علم وجود میں آچکا ہے جسے حلال و حرام یا فقہ الحلال والحرام کہتے ہیں۔ فقہ الحلال والحرام اپنی اہمیت اور ضرورت کی وجہ سے وقت کا اہم اور مقبول علمی موضوع بن گیا ہے اور دن بہ دن اس کی اہمیت اور طلب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ موضوع کی اس اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر بندے نے اس پر کچھ مضامین لکھے تھے جو ماہنامہ بینات میں شائع ہوئے، ان مضامین میں حلال وحرام کے حوالے سے ریاست کی ذمہ داری، موضوع کے مستقبل، حلال تصدیقی اداروں کے کام اور چند ذیلی جزئیات کو موضوع بحث بنایا تھا۔ اب انہیں مناسب اصلاح کے بعد کتابی شکل دی جارہی ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اس کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرمائے۔ ربنا تقبل منا إنك انت السميع العليم

شعیب عالم

۱۵ جمادی الاخری ۱۴۳۹ھ

حلال وحرام: ریاست کی ذمہ داری، تجاویز وسفارشات

پاکستان اسٹینڈرڈ اینڈ کوالٹی کنٹرول اتھارٹی (PSQCA) اور پاکستان نیشنل ایکریڈیٹیشن کونسل (PNAC) دونوں وزارتِ سائنس وٹیکنالوجی کے ذیلی ادارے ہیں۔ ایک کی حیثیت مقننہ کی جب کہ دوسری پر منتظمہ کی چھاپ غالب ہے۔ اول الذکر کمپنیوں اور لیبارٹریوں کے لیے معیارات وضع کرتا ہے جب کہ مؤخر الذکر ان پر عمل درآمد کراتا ہے۔ حلال وحرام کے حوالے سے اول الذکر محکمے نے جو قوانین ترتیب دیے ہیں، حلال تصدیقی ادارے مصنوعات بنانے والی کمپنیوں پر ان قوانین کے نفاذ کو یقینی بناتے ہیں جب کہ خود حلال تصدیقی اداروں پر ثانی الذکر ادارے کے قوانین لاگو ہوتے ہیں۔ الغرض مصنوعات بنانے والی کمپنیوں کی نگرانی حلال تصدیقی ادارے کرتے ہیں اور حلال تصدیقی

اداروں کی نگرانی ثانی الذکر محکمہ کرتا ہے۔

مصنوعات کے حلال وحرام ہونے کے حوالے سے ان اداروں کے لیے شرعی رہنما خطوط کیا ہوں گے، اس سلسلے میں ۲۵ جون 2015 کو وزارت سائنس نے حلال تصدیقی ادارے سنہا ''سنحا پاکستان'' کے تعاون سے ایک روزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا تھا۔ شرکاء میں وزارت کے ذیلی اداروں سمیت بعض دیگر ریاستی اداروں کے نمائندہ افراد بھی شریک تھے۔ زیرِ نظر مضمون اس موقع پر کی گئی ایک تقریر ہے جو وزارت سائنس کی مرکزی عمارت اسلام آباد میں کی گئی اور اب اسے تحریر کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا جا رہا ہے۔

شریعت اور ریاست

الحمد لله وكفٰى وسلامٌ علٰى عباده الذين اصطفٰى، أما بعد:
فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم
﴿الَّذِينَ إِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾۔(۱)

ترجمہ:- یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا اختیار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔(۲)

۱:۔ نبوت اور ریاست: دو عظیم نعمتیں

قرآن کریم بنی اسرائیل پر اپنے احسانات جتلاتے ہوئے فرماتا ہے:

---

۱) سورۃ الحج، آیت: ۴۱

۲) بیان القرآن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، ط: میر محمد کتب خانہ، کراچی۔

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ (۱)

ترجمہ:- اے اولاد یعقوب علیہ السلام کی تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم کو انعام دی تھی اور اس کو کہ میں نے تم کو تمام دنیا جہاں والوں پر فوقیت دی تھی۔ (۲)

آیت شریفہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کون سی نعمت ہے جو اُن کو یاد دلائی جارہی ہے، لیکن سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت کے ساتھ سورۂ مائدہ کی آیت کو ملا کر پڑھیں تو بات صاف ہوجاتی ہے، چنانچہ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّآتَاكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ﴾۔ (۳)

ترجمہ:- اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالی کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے، یاد کرو جب کہ اللہ تعالی نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو چیزیں دیں جو دنیا جہاں والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔ (٤)

معلوم ہوا کہ نعمت سے مراد ''نبوت ورسالت'' اور ''بادشاہت وریاست'' ہے۔ غور کریں! تو واقعی یہ دونوں عظیم نعمتیں ہیں اور اس قابل ہیں کہ بطور احسان ان کا تذکرہ کیا جائے،

---

۱) البقرۃ:۴۷

۲) بیان القرآن۔

۳) المائدۃ:۲۰۔

٤) بیان القرآن۔

کیونکہ دینی اور روحانی نعمتوں کا منتہا نبوت ہے اور دنیوی اور مادی نعمتوں کا نقطۂ عروج ریاست ہے اوران دونوں کے اندرتمام دینی اور دنیوی نعمتیں سمٹ کر جمع ہو جاتی ہیں۔

بنی اسرائیل کے علاوہ انبیاء و مرسلین پر بھی اس احسان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو روئے زمین کی نیابت اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو بے مثال مملکت بخشی گئی، حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت ارضی کی نعمت یاد دلائی گئی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے کہ ہم نے انہیں مملکت عظمیٰ عطا کی تھی:

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا﴾۔(١)

ترجمہ:- یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل (کیوں) عطا فرمایا ہے؟ سو ہم نے ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی۔

علاوہ ازیں حکومت اور حکومتی عہدوں کے لیے شرعی نصوص میں خلافت، وراثت، امامت، امارت، نعمت، عہد، رشد، عزت، قوت، ولایت اور امانت وغیرہ کے الفاظ یا ان کے مشتقات استعمال کیے گیے ہیں جن سے حکومت کی غرض وغایت اور اس کا نعمت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جس ریاست کا حق تعالیٰ شانہٗ نے احسان جتلایا ہے، اس سے مراد وہ ریاست نہیں جو سیاسیات کی کتابوں میں ملتی ہے اور جس کو افلاطون، سقراط، ارسطو، ہیگل، اینجلز، ریکارڈو، اسمتھ، کانٹ، بینتھم، روسو، میکاؤلی، کوٹلیہ چانکیہ یا لیکاک بیان کرتے ہیں بلکہ ایک ایسی ریاست مراد ہے جہاں حکم الٰہی کی بالادستی اور شریعت کی حکمرانی ہو، کیونکہ اگر ریاست شرعی نہ ہو بلکہ

---

١) سورۃ النساء: آیت: 54

لادین، جابرانہ یا ظالمانہ ہوتو اس کا ذکر بطور احسان کے کیوں کیا جائے؟

ریاست کیا ہے، اس کے بارے میں قدیم وجدید مفکرین کیا کہتے ہیں اور موجودہ مفکرین کس نظریے پر متفق ہیں؟ ہمیں ان تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ ہمارا مقصد ان کے نظریات کو معیار بنا کر قرآن کریم کو جانچنا نہیں، بلکہ قرآن کی بنیاد پر اپنے نظریات کی عمارت استوار کرنا ہے۔

۲:۔ ریاست اور شریعت کا تلازم

ریاست اگر شرعی ہوتو وہ شریعت سے الگ اور جدا کوئی چیز نہیں، بلکہ اس کا عکس اور پرتو ہے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں کہ:

''ریاست ظل رسالت ہے اور امام رسول کا نائب ہے۔''(۱)

جب ریاست عکس ٹھہری تو قاعدہ یہ ہے کہ اصل اور عکس میں تضاد نہیں بلکہ اتحاد ہوتا ہے کیونکہ اگر تضاد ہوتو پھر عکس عکس نہیں رہتا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول:

''اسلام ایک ایسی ریاست ہے جو ہمہ تن دین ہے اور ایسا دین ہے جو سراپا ریاست ہے۔''(۲)

حقیقت یہی ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ریاست کا

---

۱) منصب امامت، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مترجم حکیم محمد حسین علوی، عبادات شرعیہ، طیب پبلشرز، لاہور، اشاعت چہارم، ۲۰۱۱ء، ص ۸۔

۲) ماہنامہ فکر ونظر، نفاذ شریعت نمبر، سلطنت اور دین کا تعلق، سید سلیمان ندویؒ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء، ص ۱۰۰۔

وجوب ہی شریعت کی بدولت ہے اور اس پر مسلمان مفکرین کا اتفاق ہے۔امام ابو حامد الغزالی ؒ کے نزدیک بھی ریاست کی بنیاد شریعت ہے، وہ اس پر کچھ عقلی ونقلی دلائل کا اضافہ بھی کرتے ہیں، مثلاً رسول کا منشاء ہے کہ اسلام کا باضابطہ قیام ہو وغیرہ۔محقق طوسی کے نزدیک تو ریاست شریعت کا ہی ایک مذہبی ادارہ ہے اور دین اسلام کی حیثیت ریاست کے لیے ایک ناظم کی ہے۔امام ماوردیؒ جو بلند پایہ اسلامی سیاسی مفکر سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ ریاست کی اولین ذمہ داری مذہبی اصولوں کا دفاع وتحفظ ہے۔ان مسلمان سیاسی مفکرین کے علاوہ اگر فقہاء کو دیکھیں جو شریعت کے رمز شناس سمجھے جاتے ہیں تو وہ بھی لکھتے ہیں کہ ''نصب الإمام فرض''(۱)

---

۱) ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ امام اعظم کا تقرر فرض ہے اور اس بارے میں اہل حق کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

''ولأن نصب الإمام الأعظم فرض، بلا خلاف بين أهل الحق''

علامہ ابوحیان اندلسیؒ لکھتے ہیں کہ امام کا تقرر فرض ہے:

''أن نصب الإمام فرض''(البحر المحيط، محمدبن يوسف الشهير بأبي حيان الأندلسي، دار الفكر-بيروت، 1420هـ(607/1)

علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ:

''اتفق جميع اهل السنة وجميع المرجئة وجميع الشيعة وجميع الخوارج على وجوب الامامة وان الامة واجب عليها الانقياد وللام عادل يقيم فيهم احكام الله وليسوسهم باحكام الشريعة التى اتى بها رسول الله ﷺ۔''

ترجمہ:-تمام اہل سنت، مرجئہ، شیعہ اور خوارج، سب کا اتفاق ہے کہ امام کا تقرر واجب ہے اور یہ کہ امت پر ایسے امام عادل کی اطاعت واجب ہے جو ان میں اللہ تعالی کے احکام کو نافذ کرے اور ان احکام شریعت کے مطابق ان کا سیاسی نظم قائم کرے جو نبی اکرم ﷺ لے کر آئے تھے۔

آج کل اس فکر کا پرچار کیا جا رہا ہے کہ ریاست اور مذہب دو الگ الگ چیزیں ہیں اور ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، یہ مغربی فکر ہے جس کی بنیاد اس فلسفہ پر ہے کہ ''جو قیصر کا حق ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا حق ہے وہ خدا کو دو''۔(۱)

۳:۔خلیفہ کی حیثیت

ہمارے حکمراں تو بہت کم پر راضی ہو گئے ہیں، ورنہ اسلام میں تو خلیفہ راشد کے اندر نبی کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے، چنانچہ اگر نبی پر ایمان ضروری ہے تو امام عادل کی عدم اطاعت کو جاہلیت کی موت کہا گیا ہے، عبادات نبی کے طریقے پر ہوں تو قابل قبول ہیں، ادھر صحت جمعہ و عیدین اور جہاد اور حدود و قصاص وغیرہ امام کے امر پر موقوف ہیں، نبی کے قول سے کسی کو مفر نہیں تو قضاء قاضی بھی ظاہراً و باطناً نافذ ہے، سینکڑوں گواہ گواہی دیں، مگر حکم حاکم نہ ہو تو کوئی کام ثبوت تک نہیں پہنچتا۔ نبی کی اطاعت واجب ہے تو غیر منصوص احکام میں امام کی اطاعت بھی واجب ہے اور وہ احکام جن میں شریعت کا حکم واضح نہیں ان میں جو حکمِ حاکم ہو وہی حکم شریعت ہے۔(۲)

۴:۔امامت، رسول کی نیابت

اسی طرح جو شخص اسلامی ریاست کا امام ہوتا ہے، وہ ایک جانب سے عوام کا نمائندہ ہوتا ہے، مگر دوسری جانب سے وہ رسول کا جانشین ہوتا ہے اور اس نیابت اور جانشینی کی وجہ سے اس کی وہی ذمہ داریاں ہوتی ہیں جو خود رسول کی ہوتی ہیں، کیونکہ نائب کا وہی کام ہوتا ہے جو اصل کا ہوتا ہے۔

---

۱) ماہنامہ فکر و نظر، نفاذ شریعت نمبر، سلطنت اور دین کا تعلق، سید سلیمان ندویؒ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء ص ۱۰۰۔

۲) منصب امامت، شاہ اسماعیل شہیدؒ، طیب پبلیشرز، لاہور۔

۵:۔شریعت کی ریاست پر فضیلت

اگر چہ شریعت اور اسلامی ریاست میں بڑا گہرا ربط اور مضبوط تعلق ہے مگر شریعت کو ریاست پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نہ تو شریعت کا وجود ریاست پر موقوف ہے اور نہ ہی ریاست کو شریعت پر کوئی تقدم یا سبقت حاصل ہے۔شریعت پہلے ہے اور ریاست بعد میں ہے۔کائنات کے اولین انسان کے نزول کے ساتھ ہی شریعت بھی اتر گئی تھی،مگر ریاست کا وجود نہ تھا۔ریاست کا ذکر تو قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ملتا ہے۔مکہ میں ریاست نہیں تھی،مگر شریعت اتر رہی تھی، باقاعدہ اور باضابطہ اسلامی ریاست کا اظہار تو ہجرت کے بعد ہوا ہے۔اسی طرح اگر ایک مسلمان اسلامی ریاست کی حدود ارضی سے باہر چلا جاتا ہے جہاں ریاست کی عمل داری نہ ہو تو وہ پھر بھی شریعت کا مکلف رہتا ہے کیونکہ شریعت کا موضوع مکلف کی ذات ہے۔

۶:۔ریاست کی ضرورت

جب اصل شریعت ہے تو پھر ریاست کی ضرورت کیوں ہے؟ ریاست کی ضرورت اس لیے ہے کہ:

الف) اسلام کو باضابطہ قیام کے لیے ریاست کی ضرورت ہوتی ہے۔

ب) بے شمار شرعی احکام کا نفاذ ریاستی مشینری کی قوت وطاقت اور اس کے تنظیمی ڈھانچے پر موقوف ہوتا ہے۔

ج) اسلام کا ظہور غلبہ کے لیے ہے:''لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ'' اس غلبے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مسلمان قوم غیر مسلم اقوام پر اور ان کی ریاست غیر اسلامی ریاستوں پر حاوی اور غالب ہو۔

د) اسلام کا مزاج اجتماعیت اور مرکزیت کا ہے وہ انتشار اور افتراق کو ناپسند کرتا ہے، اس کی نظر میں اجتماعیت بلا نظام فساد ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے خلافت کے مسئلے کو طے کیا تھا۔ حدیث تو یہاں تک کہتی ہے کہ تین بندے ہوں تو اپنا ایک امام بنالیں۔ اگر تین افراد کو یہ حکم ہے تو قوم، ملک اور معاشرے کو بطریق اولیٰ ہے۔

بہر حال شریعت کو سبقت کی فضیلت حاصل ہے، شریعت اصل ہے اور ریاست تابع ہے۔ شریعت مقصد ہے اور ریاست ضرورت ہے۔ شریعت کل ہے اور ریاست جزء ہے۔ شریعت منزل اور ہدف ہے اور ریاست ذریعہ اور وسیلہ ہے اور حسن عمل کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔ شریعت مقصود لعینہ اور ریاست مقصود لغیرہ ہے۔ شریعت حاکم اور ریاست محکوم ہے۔ شریعت کا تعلق زندگی کے ہر شعبے کے ساتھ ہے مگر ریاست کو یہ حیثیت حاصل نہیں۔ جہاں تک حکومت یعنی ہیئت حاکمہ کا تعلق ہے تو خود اس پر شریعت کی حکومت ہے اور اس کا مقصد مروجہ نظریات کے برعکس صرف دنیوی تنظیم نہیں بلکہ مذہبی نظام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر وہ احکام اسلام کا نفاذ نہ کرے تو اسے اسلامی حکومت کے لقب سے موسوم نہیں کیا جاسکتا۔

ریاست اور عمال ریاست کی ذمہ داریاں

۱:۔ ریاست کا دستور

ریاست کا آئین کیا ہوگا، قرآن کریم نے بیان کردیا ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾۔(۱)

---

۱) سورۃ الحج: آیت: ۴۱

آیت میں امر بصورتِ خبر ہے اور اس میں امر سے زیادہ تاکید ہے۔ آیت سے معلوم ہوا کہ ریاست کا مقصد صرف امن وامان کا قیام، صحت وتعلیم، سرحدات کی حفاظت اور عوام کی کفالت نہیں، بلکہ اس کی اور بھی ذمہ داریاں ہیں، جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سرفہرست ہے۔

سورہ اعراف میں ارشاد باری تعالی ہے کہ ضابطہ مملکت قرآن مجید ہوگا:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾۔(۱)

ترجمہ:-(لوگو) جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے، اسکے پیچھے چلو، اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے (من گھڑت) سرپرستوں کے پیچھے نہ چلو۔(۲)

۲:۔ اسلامی اور غیر اسلامی ریاست کا فرق

ضابطہ مملکت آئین خداوندی ہوگا، یہی ایک اسلامی اور غیر اسلامی ریاست کا فرق ہے، ورنہ ریاست تو ہر جگہ ایک جیسی ہوتی ہے، مثلاً زمین، آبادی اور معاشرہ ہر ریاست کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ آبادی زمین پر ہوتی ہے اور جہاں آبادی ہوگی وہاں معاشرہ بھی ہوگا اور جہاں معاشرہ ہوگا وہاں قانون بھی ہوگا، کیونکہ قانون معاشرے کی ناگزیر ضرورت ہے اور جہاں قانون ہوگا تو اس کو لاگو اور نافذ کرنے والا فرد یا ادارہ بھی ہوگا جس کو مقتدر اعلیٰ کہتے ہیں، مگر زمین، آبادی اور مقتدر اعلیٰ کی ذات سے ایک اسلامی ریاست دوسری ریاستوں سے علیحدہ

---

۱) سورۃ الاعراف: آیت: ۳

۲) ترجمہ از آسان ترجمہ قرآن۔ مفتی تقی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید، اپریل ۲۰۱۲ء

اور ممتاز نہیں ہوسکتی کیونکہ زمین اور آبادی تو ہر جگہ یکساں ہوتی ہیں، اسلامی ریاست میں کوئی حقیقی حکمراں بھی نہیں ہوتا، بلکہ خود حکمران پر شریعت کی حکمرانی ہوتی ہے، اس لیے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ریاست کی شکل وصورت زمین، خطے اور معاشرے سے نہیں، بلکہ قانون اور نظام حکومت سے بنتی ہے۔ ریاست کا نظام خدا کا پسندیدہ اور آخری دین اسلام ہے۔ اس لیے اگر قانون اور طرزِ حکومت اسلامی ہے تو ریاست کو علیحدہ تشخص اور منفرد خصوصیت حاصل ہے، ورنہ وہ بھی ایک ریاست ہے جس طرح دنیا کی اور ریاستیں ہیں۔

۳:۔ نیابتی ذمہ داری

پہلے گزر چکا کہ امام رسول کا نائب ہوتا ہے اس نیابتی ذمہ داری کے تحت جب اسلامی ریاست وجود میں آتی ہے تو داخلی سطح پر تو ہر مسلمان کا ضمیر اس سے احکام شرع کی تعمیل کراتا ہے، مگر خارجی سطح پر ریاست اس سے دینی احکام کی تعمیل کراتی ہے، چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے دینی احکام بیان بھی فرمائے ہیں اور ان پر عمل بھی کرایا ہے اور جہاں ریاستی اختیار اور طاقت کی ضرورت ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کا مناسب اور بروقت استعمال بھی فرمایا ہے۔

۴:۔ اصل مسئول علیہان

مسلمان ہونے کے ناطے ہم سب نیکی کے فروغ اور برائی کے انسداد اور حلال وحرام کے فکر وفلسفہ کو پروان چڑھانے اور اس پر عمل درآمد کے ذمہ دار ہیں، کیونکہ دینی احکام جمع کے صیغہ کے ساتھ وارد ہیں اور خطاب ہم سب سے ہے، مگر اصلاً ذمہ داری حکومت اور سرکاری حکام کی ہے۔ نصوص میں خطاب اولوالامر سے ہے اور انہوں نے ہی اس عہدہ کی ذمہ داریوں کا حلف اٹھایا ہے اور وہی اختیار وطاقت اور قوت وقدرت رکھتے ہیں، نصوص میں وعیدیں اور بشارتیں بھی ان ہی کو سنائی گئی ہیں اور آئین اور دستور کا بھی ان سے یہی مطالبہ ہے۔ حدیث شریف میں

صاف ہے کہ: ''اللہ سائلھم عما استرعاھم'' اللہ تعالیٰ رعیت کے متعلق باز پرس کرے گا اور جو شخص مخلوق کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو تھکا تا نہیں تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا اور جس نے اپنا دروازہ مخلوق کے لیے بند کر دیا اسے خدائی دروازے بند ملیں گے۔

۵:۔منصب کا تقاضا

سرکاری ملازم امین ہے اور سرکاری منصب امانت ہے اور اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی پر اجر وثواب ہے اور کوتاہی پر عقاب ہے۔ اس پہلو سے حکومتی طبقات اور سرکاری ملازمین بڑی ذمہ داری تلے دبے ہوئے ہیں اور وہ اسی صورت اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جب وہ خلوص کے ساتھ اپنے قرآنی فرائض سرانجام دیں۔ یہ منصب پھولوں کا سیج اور عیش وعشرت کا گل زار نہیں، بلکہ خارزار ہے۔ حکومت کے ملازمین اگر اپنے فرائض کو چھوڑ کر ذکر ونوافل یا تسبیح وتلاوت میں مصروف رہیں گے تو خدا کے ہاں غافل اور مجرم شمار ہوں گے۔ فرائض، واجبات اور موٴکدات کے بعد ان کی بہترین عبادت یہی قرار دی گئی ہے کہ وہ خلوص کے ساتھ اپنے محولہ فرائض انجام دیں۔ حضرت داوٴد علیہ السلام کا جو قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے اس کا حاصل کیا ہے؟ یہی کہ حضرت داوٴد علیہ السلام اپنے عبادت خانہ کا دروازہ بند کر کے یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ وتعلیم فرمائی۔ عمال حکومت کی حیثیت امین ہونے کے ساتھ اجیر کی بھی ہے یعنی پوری قوم نے ایک ذمہ داری ان کے سپرد کی ہے اور وہ از روئے شرع اور قانون عوام کو جواب دہ ہیں۔

۶:۔قوم کا بنیادی حق

قرآن حکیم حکم دیتا ہے کہ حق دار کو اس کا حق پہنچا دو۔ یعنی غیر مستحق کو پہنچانا تو دور کی بات، مستحق کو بھی تمہارے پاس آنے کی ضرورت نہ ہو، تم خود اس تک پہنچا دو۔ حلال، پاک اور

پاکیزہ غذا قوم کا حق اور اس کی فراہمی حکومتِ وقت کی ذمہ داری ہے۔حکومتِ وقت کے لفظ سے دھیان حکمران جماعت کی طرف جاتا ہے، بلاشبہ وہ اولین مخاطب ہیں اور سب سے زیادہ ذمہ داری ان ہی کی ہے، مگر ایک پہلو سے سول ملازمین کی ذمہ داری زیادہ ہے، کیونکہ فوجی اور سیاسی حکومتیں تو بدلتی رہتی ہیں، مگر سرکاری ملازمین مستقل رہتے ہیں، قانون سازی کا حق حکمرانوں کو ہے، مگر اختیارات کو استعمال میں لانا سول سرونٹس کے ہاتھ میں ہے۔

۷:۔جمہوری حق

شریعت سے قطع نظر کریں تو موجودہ نظام کے حوالے سے بھی یہ حکومت کی ذمہ داری ہے، کیونکہ ڈیموکریسی کا مطلب ہی عوام کی طاقت ہے اور عوام کی طاقت کا مطلب اکثریتی رائے کا احترام ہے اور اس میں شک نہیں کہ غالب طبقہ بلکہ تمام ہی طبقات حلال کے خواہاں ہیں۔عوام کی طاقت آپ کی طاقت ہے، بانی پاکستان نے مختلف مواقع پر اس پر زور دیا ہے کہ ہر سول سرونٹ کے لیے اصل طاقت پاکستان کی عوام ہیں، اسی طرح ۱۴/اپریل ۱۹۴۸ء کو پشاور میں سول آفیسرز سے خطاب کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ آپ کسی سیاستدان یا سیاسی جماعت کے دباؤ میں نہ آئیں، اگر آپ پاکستان کے وقار اور عظمت کو بڑھانا چاہتے ہیں تو آپ کو ہرگز کسی دباؤ میں نہیں آنا چاہیے۔

حلال وحرام

۱:۔اسلام اور حلال وحرام

حلال وحرام اسلام کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ یہ اسلام کی دوسری تعبیر ہے اور دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اس کے زیر اثر نہ آتا ہو۔اسلام کی کوئی سی بھی تقسیم لے لیں حرام وحلال کا تعلق نمایاں نظر آئے گا، چاہے وہ تقسیم اس طرح ہو کہ دین حقوق اللہ اور حقوق العباد کا مجموعہ

ہے یا اس طرح ہو کہ دین اسلام مامورات اور منہیات کا مجموعہ ہے یا اس طرح ہو کہ اسلام عقائد، عبادات، مناکحات، معاملات، معاشرت اور جنایات یعنی حدود وقصاص کا نام ہے۔ ان سب میں حلال وحرام کا تعلق واضح نظر آتا ہے۔

عقائد میں حرام ہو تو اس کو کفر وشرک کہتے ہیں، عبادات میں حرام آتا ہے تو وہ باطل اور مردود ہو جاتی ہیں، معاملات میں حرام سے معاملہ فاسد اور کمائی خبیث اور فریقین گناہ گار ہو جاتے ہیں اور معاشرت میں حرام کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے۔

۲: ۔ حلال وحرام کی حساسیت ونزاکت

حلال حرام کا مسئلہ جتنا اہم اور ضروری ہے اتنا حساس اور نازک بھی ہے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کی اتھارٹی نہ میرے پاس، نہ آپ کے پاس، نہ کسی وزارت اور مملکت کے پاس اور نہ ہی کسی ولی، ابدال، غوث یا قطب کے پاس ہے، یہ اختیار صرف اور صرف شریعت کو حاصل ہے۔ سورۂ تحریم کی ابتدائی آیت اس طرح ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللهُ لَكَ﴾.......

ترجمہ:۔ "اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر۔"(۱)

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

"اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دیں اور حد سے نہ بڑھو، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔(۲)

---

۱) سورۃ التحریم: آیت: ۱، ترجمہ از تفسیر عثمانی

۲) سورۃ المائدۃ: آیت: ۸۷، ترجمہ از تفسیر عثمانی

سورۂ نحل میں ہے:

''اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر بہتان باندھو، بیشک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر ان کا بھلا نہ ہوگا۔''(۱)

اب اگر کوئی پروڈکٹ شرعاً حرام کے دائرہ میں نہیں آتی ہے اور کسی نے محض کوالٹی کنٹرول یا حفظانِ صحت کے اصولوں کی خلاف ورزی کی وجہ سے اسے حرام کہہ دیا، جب کہ وہ پروڈکٹ حرام کے زمرے میں نہ آتی ہو یا کوئی شئے حلال تھی، مگر کسی دنیوی مصلحت کی بناء پر اسے حرام کہہ دیا تو اس نے بہت بڑی جرأت کر لی اور شریعت کے اختیار کو استعمال کر لیا۔

بعض لوگ احتیاطاً کسی چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں، حالانکہ وہ اصل میں حلال ہوتی ہے، یہ رویہ بھی ازروئے شرع درست نہیں، کیونکہ احتیاط کسی چیز کو حرام قرار دینے میں نہیں، بلکہ ''اصل'' پر عمل کرنے میں ہے اور اصل گوشت وغیرہ میں چند اشیاء کو چھوڑ کر اباحت ہے۔

حلال وحرام معروف ومنکر کے تحت آتے ہیں، اس لیے یہ دونوں حکومت کی قرآنی ذمہ داری ہیں۔ جو قوم، ملک یا معاشرہ اس فریضہ کو چھوڑ دیتا ہے اسے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص گناہ کرے تو صرف وہ عذاب میں گرفتار ہوتا ہے، لیکن جب گناہ عام ہو جائے تو پھر عذاب سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔'' آج حالات یہ ہیں کہ خدا کی وسیع زمین مسلمانوں پر تنگ کر دی گئی ہے اور گاجر مولی کی طرح انہیں کاٹا جا رہا ہے، سر کٹتا ہے تو مسلمانوں کا، لاش گرتی ہے تو مسلمانوں کی، اموال برباد ہیں تو مسلمانوں کے، بستیاں اور شہر ملیا میٹ ہوتے ہیں تو مسلمانوں کے، دہشت ہے، وحشت ہے اور بربریت ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ہماری نااہلی بھی ہے، دشمن کی سازش بھی ہے، مگر ایک اور سبب بھی ہے

---

۱) سورۃ النحل: آیت: ۱۱۶، ترجمہ از تفسیر عثمانی

جس کی طرف دھیان نہیں جاتا اور وہ یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک ہے۔

جیسا کہ سورہ حج کی آیت کے حوالے سے بیان ہوا کہ ریاست کا اصل اور حقیقی مقصد یہ ہے کہ احکام الٰہی کی بالادستی اور شریعت کی حکمرانی ہو،اس مقصد کے حصول کے لیے ایک شرعی ریاست کو ہر شعبے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔حلال وحرام شریعت کا انتہائی اہم اور حساس شعبہ ہے اس لیے اس شعبہ کا احیاء اور نفاذ بھی ریاست کی اہم ذمہ داری ہے۔حلال وحرام سرکار دو عالم ﷺ کی ذمہ داریوں میں داخل ہیں تو ریاستی سربراہ پر بھی نیابت اور جانشینی کی وجہ سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

تجاویز وسفارشات

1:- مذہبی جذبہ سے کام کی ضرورت

''ماکان للہ یبقٰی'' بقاء اللہ تعالیٰ کو ہے اور ان کاموں کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کیے جائیں، اس کے علاوہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ جو کام خلوص سے اور رضائے الٰہی سے کسی نے شروع کیے وہ پھلے پھولے اور بار آور ہوئے اور دنیا اس کے فوائد وثمرات سے مستفید ہوئی، اس کے برعکس صرف مادی فوائد کے حصول کے لیے جو اسکیمیں شروع ہوئیں اور منصوبے بنائے گئے وہ ناکام اور ھباءً منثوراً ہو گئے۔اگر جذبہ خدا کی رضا حاصل کرنے کا ہو تو خدائی مدد ساتھ ہوتی ہے،راستہ صاف اور رکاوٹیں دور ہوتی ہیں۔اس لیے ہمارا مقصد صرف حلال کی وسیع تجارت میں اپنے حصہ کا حصول نہ ہو، یہ چیزیں تو بطور انعام اللہ تعالیٰ خود نصیب فرمادیں گے، نہ ہی یورپ ہمارا آئیڈیل ہو، کیونکہ ہمارا سیاسی اور معاشی قبلہ بھی مدینہ ہے،لندن، برلن یا واشنگٹن نہیں۔

جذبہ صرف یہ ہو کہ حلال حکم شریعت ہے اور ہمارے منصب کا تقاضا ہونے کی وجہ سے

ہمارا فریضہ ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے دین کی محنت کی تو ملک کے ملک ان کے قدموں میں گرے اور دنیا گیند کی طرح ان کی ٹھوکروں میں تھی۔امام مسلم نے ایک حدیث کا عنوان قائم کیا ہے:"جزاء المؤمن بحسناته في الدنيا" اوراس کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے:"مومن کو نیکی کا ثواب آخرت میں تو ملے گا ہی، دنیا میں بھی اللہ پاک اس کا اچھا بدلہ دے دیتے ہیں۔"

اس کام کو خلوص سے کرنے کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ سرکاری فرائض کی ادائیگی پر بھی اجر ملتا ہے، جب کہ حلال وحرام تو خالص دینی احکام ہیں، اگر یہ دنیوی احکام ہوتے تو بھی حسن نیت سے انہیں دین بنایا جاسکتا تھا۔نیت تو ایسا مؤثر ہتھیار ہے کہ اس سے دین، دنیا بن جاتا ہے اور دنیا دین بن جاتی ہے۔اسلام کی نظر میں دین ودنیا کا فرق کاموں کی نوعیت سے نہیں، بلکہ جذبہ اور نیت سے آتا ہے۔جو کام خدا کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا جائے وہ دین ہے اور اگر دین کو مخلوق کی رضا کے لیے کیا جائے تو دنیا ہے اور بدترین وبال ہے۔

2:۔عوامی شعور وآگہی پیدا کرنا

اسلام جب کوئی حکم دیتا ہے تو اس سے پہلے مناسب فضا بھی پیدا کرتا ہے، وہ سروں کو جھکانے سے پہلے دلوں کو فتح کرتا ہے تو سر خود بخود اس کے سامنے جھک جاتے ہیں، اس کے علاوہ اس کے ہر حکم کے ساتھ آخرت سے متعلق کوئی مضمون ضرور ہوتا ہے، کیونکہ آخرت سامنے نہ ہو تو محض قانون کے زور پر بے قاعدگی یا بدعنوانی ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔اس مقصد کے لیے ضروری ہوگا کہ ابلاغ کے ذرائع کو استعمال میں لاکر عوام میں حلال وحرام کے متعلق شعور کو بیدار کیا جائے۔اگر شعور بیدار نہ کیا جائے تو معاشرے میں قانون کے نفوذ کی صلاحیت کم ہوجاتی ہے بلکہ بسا اوقات معاشرہ مفید سے مفید قانون کو یکسر مسترد کردیتا ہے۔

3: ۔قوانین کی جمع وترتیب

پاکستان میں جوقوانین رائج ہیں وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں مگر شاید ہی ایسا کوئی نجی یا سرکاری ادارہ ہوجس کے پاس یہ تمام قوانین اپ ٹو ڈیٹ شکل میں دستیاب ہوں۔بعض سرکاری ادارے بھی نجی شعبہ کے ناشرین کی مطبوعات سے استفادہ کرتے ہیں جس کی وجہ بھی وہی قوانین کی تازہ ترین شکل میں عدم دستیابی ہے۔مزید یہ کہ قانون سے محض وضع شدہ قوانین ہی مرادنہیں ہوتے بلکہ اس کے مفہوم میں تمام قانونی اہمیت کی دستاویزات مثلاً صدارتی فرامین،ضوابط و قواعد،ضمنی قوانین اوراعلامیے وغیرہ سب شامل ہوتے ہیں جیسا کہ آئین کے آرٹیکل ۲۰۳ ب (ج) اورخاص طور پرآرٹیکل ۲۶۸ (۷) میں ہے مگر مطبوعہ کتب قوانین میں یہ تمام شایع شدہ نہیں ہوتے ہیں۔اگرتمام قوانین مطبوعہ اورمتداول ہوں پھربھی ایک فرد کے لیےان کا جمع بہت ہی مشکل ہے۔وزارت کے ذیلی ادارے پی ایس کیو سی اے کے پاس آئی ایس او کے اسٹینڈرڈز کا کافی ذخیرہ موجود ہے مگراس سے زیادہ ضروری ملکی قوانین ہیں۔اگرکوئی ادارہ اس جانب توجہ کرے اورحلال سے متعلقہ قوانین یکجا کرکےاستفادہ عام کے لیے مشتہر کردے تو حلال وحرام کے شعبے میں یقینایہ ایک بڑی خدمت ہوگی۔

4: ۔مروجہ قوانین پرازسرنوغور

ان قوانین کو یکجا کرنے کے بعد ہمیں حلال وحرام کے نقطہ نظر سے ان کا جائزہ لینا ہوگا۔ جوقوانین قرآن وسنت کے موافق ہوں وہ برقراررکھے جائیں اورجو قابل اصلاح ہوں ان کی اصلاح کی جائے اورجو ناقابل اصلاح ہوں انہیں کالعدم قرار دیا جائے، کیونکہ بانی پاکستان کے بقول ہم نے یہ خطہ اسلامی اصولوں کوآزمانے کے لیے حاصل کیا ہےاورہم بحیثیت قوم خدا کے سامنے یہ وعدہ کرچکے ہیں کہ یہاں قرآن وسنت کے مخالف نہ کوئی قانون بنایا جائے گا

اور نہ باقی رکھا جائے گا۔

5:۔قانون سازی کی حکمت عملی

اسلامی فلسفہ قانون کی ایک اہم خصوصیت تدریج کا اصول بھی ہے۔ام الخبائث چار مرحلوں میں حرام ہوئی ہے اور خود پورا اسلام یک دم نہیں بلکہ تئیس سال میں اترا ہے۔تدریجی قانون سازی ہلکی ہلکی پھوار کی مانند ہوتی ہے جو فصلوں کے لیے بہت مفید ہوتی ہے، جب کہ مناسب حکمت عملی سے خالی قانون سازی اس زوردار اور کڑاکے دار بارش کی طرح ہوتی ہے جو سب کچھ بہا کے لی جاتی ہے، مگر اس کے بعد زمین میں کوئی روئیدگی پیدا ہوتی ہے نہ بالیدگی۔ ہم نے یکدم نیشنلائزیشن اور پرائیویٹائزیشن کے قوانین نافذ کیے تو نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ مناسب غور وخوض، پیشگی منصوبہ بندی، واقعی صورتحال اور باہمی مشاورت کے بغیر جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ اسی انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔

قانون سازی جیسا کہ ہم سب جانتے اور سمجھتے ہیں ایک مسلسل، گہرے اور طویل غور و فکر کا متقاضی عمل ہے، مگر ہمارے ہاں میڈیا پر کوئی واقعہ اچھالا جاتا ہے جس سے جذباتیت کی ایک فضا بن جاتی ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر مقننہ قانون بنا ڈالتی ہے، جس میں جامعیت کے بجائے محدودیت اور گہرائی کے بجائے سطحیت اور اعتدال وتوازن کے بجائے جذباتیت اور جانبداری صاف جھلکتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قانون اپنے نفاذ سے قبل ہی اپنا اخلاقی جواز کھو بیٹھتا ہے اور جب اسے نافذ کیا جاتا ہے تو وہ قوم کو ایک مقصد پر متفق اور ایک کاز پر متحد کرنے کے بجائے ان میں تقسیم کی واضح لکیر کھینچ دیتا ہے۔

6:۔قانون سازی کا دائرہ کار

حلال وحرام سمیت تمام شعبوں کے متعلق شریعت نے قانون سازی کی حدود متعین

کردی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے قانون سازی قرآن وسنت کے مطابق ہو یا اس پر مبنی ہو یا کم ازکم اس کے مخالف نہ ہو۔

ایک دوسرے پہلو سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ جن احکام کی شکل وصورت اور روح و حقیقت دونوں متعین اور مقصود ہوں ان میں قانون سازی نہیں ہوسکتی اور وہ جوں کے توں برقرار رکھے جائیں گے اور جن کی صرف حقیقت اور غایت متعین ہو، مگر شکل وصورت متعین نہ ہوان میں حکم کی روح کو باقی رکھتے ہوئے قانون سازی ہوسکتی ہے، مثلاً: جہاد کی غرض اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور یہ متعین ہے، مگر اس کی کسی خاص شکل کو شریعت نے لازم نہیں کیا ہے، اس لیے جہاد چاہے تیروں اور تلواروں سے ہو یا توپوں اور جہازوں سے ہو جہاد کہلائے گا۔

ایک تیسرے زاویے سے یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے جو احکام لچک دار نہیں وہ تو ابدی اور حتمی قسم کے ہیں اور قیامت کی صبح تک یوں ہی رہیں گے، چاہے زمانہ کتنی ہی کروٹیں بدل لے، مگر جو لچک دار احکام ہیں ان میں قانون سازی ہوسکتی ہے، شریعت کی زبان میں اول کو نا قابل تغیر اور منصوص احکام اور ثانی کو قابل تغیر وترمیم اور غیر منصوص احکام کہتے ہیں۔

7 :۔ حلال وحرام کے متعلق قانون سازی

حلال وحرام یا فقہ الحلال کا موضوع ایک جدید موضوع ہے، اگرچہ اس پر مواد بہت ہے، مگر بکھرا ہوا اور منتشر ہے۔ اگر مرتب صورت اور جدید اسلوب میں قوانین درکار ہوں تو حنفیت اور شافعیت کا فرق ملحوظ رکھتے ہوئے ملائیشیا کے قوانین سے مدد لی جاسکتی ہے، کیونکہ اسے اس شعبہ میں سبقت وامامت کی فضیلت حاصل ہے۔ گزشتہ سالوں میں اسلامی ممالک میں حلال کے موضوع پر جو کام ہوا ہے اور بین الاقوامی فقہی اداروں نے جو سفارشات اور تجاویز مرتب کی ہیں، انہیں بھی مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ حلال فوڈ انڈسٹری کی روزافزوں ترقی کی وجہ سے بھی

بہت سے مسائل تحقیق چاہتے ہیں جیسے حلال مارکیٹنگ، حلال تصدیقی اداروں کے کام کی فقہی نوعیت، حلال تصدیقی اداروں کے لیے شرعی قواعد وضوابط، صارفین کے شرعی حقوق، شرعی معیار سازی کے اصول، حلال انڈسٹری کو درپیش مشکلات کا حل اور یہ کہ جدید سائنسی آلات یا علوم سے حلال وحرام کے تجزیے وتحلیل میں کس حد تک مدد لی جاسکتی ہے وغیرہ۔

اگر سرکاری سطح پر ان معاصر مسائل پر تحقیق نہ ہو تو فقہائے کرام کا فریضہ ہے کہ وہ ان پر داد تحقیق دیں کیونکہ امت کو شرعی رہنمائی فراہم کرنا ان کی ذمہ داری ہے اور یوں بھی اسلامی قانون ریاستی دلچسپی کے بغیر ہی پھلا پھولا اور پروان چڑھا ہے۔

آئی ایس او نے جو معیارات وضع کیے ہیں، ان میں سے انتظامی اور فنی نوعیت کا حصہ لینے میں قباحت نہیں ہے، اس سے ایک گائیڈ لائن کے طور پر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ اس قسم کی اشیاء میں کسی سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں نے کبھی جھجک محسوس نہیں کی ہے مگر مسلمانوں نے مذہبی احکام اوروں سے لیے ہوں، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس لیے آئی ایس او کے معیارات میں سے اصل احکام ہمیں لینے کی ضرورت نہیں، اس میں ایک اور قباحت یہ لازم آتی ہے کہ معیارات میں اصل احکام دراصل قرآن وسنت کی تشریحات ہوتے ہیں اور قرآن وسنت کے تشریح کا حق غیر مسلموں کو نہیں۔ حلال عبادت ہے اور عبادت میں ان کا دخل شریعت کو پسند نہیں۔ حلال وحرام دین ہے اور دین صرف مسلمانوں سے ہی سیکھا جاسکتا ہے۔ مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ یہ علم دین ہے تو دیکھ لو کہ کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو؟ بلاشبہ ہم سیاسی طور پر محکوم اور معاشی طور پر کمزور اور تعلیم کے میدان میں ان کے دست نگر ہیں مگر قانون کے شعبے میں مالا مال ہیں اور ہمارے بزرگوں نے جو ذخیرہ چھوڑا ہے اس کی وجہ سے تاقیامت ہمارا سر فخر سے بلند ہے۔ اس کے علاوہ ان کے معیارات ہمارے ماحول، ثقافت اور خودداری کے خلاف اور معاشرت سے مطابقت نہیں

رکھتے، خود اس تنظیم میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور جنہیں حق رائے دہی ہے جنہیں پی ممبر کہا جاتا ہے وہ اور بھی کم ہیں۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ مسلمان نہایت عاجزی سے ان سے معیارات وضع کرنے کے لیے رابطہ کرتے ہیں اور بعض نے ہو بہو اور بعض نے معمولی ترمیم کے ساتھ ان کے معیارات اپنا لیے ہیں۔ بہرحال کوئی بھی معیار لینے سے پہلے شرعی قانونی، معاشی اور معاشرتی نقطہ نظر سے اس پر غور وخوض ضروری ہے۔ وزارتِ سائنس شرعی ماہرین کی معاونت سے غذائی مصنوعات کے بارے میں جو اسٹینڈرڈز مرتب کر رہی ہے، وہ بھی قابل تحسین کوشش ہے۔ میری اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ معیار سازی کے وقت شریعت کے قانون سازی کے اصولوں کو ہر قیمت پر مدنظر رکھا جائے۔ کچھ گزارشات کر چکا ہوں اور وقت کی کمی کے پیش نظر صرف ایک بات کا اضافہ چاہتا ہوں کہ مستقبل میں جو معیارات مرتب کیے جائیں گے، اس میں غذائی ماہرین اور انڈسٹری کے نمائندوں سمیت تمام ہی اسٹیک ہولڈرز شریک ہوں گے مگر دینی احکام کے بیان کے وقت علماء کی رائے کو ہی فیصلہ کن حیثیت حاصل ہونی چاہیے دیگر امور جس کا تعلق انتظام یا کسی اور مصلحت کے ساتھ ہو ان میں علماء اور غیر علماء کی رائے مساوی ہے۔

8:۔ حلال اسکیم کا تحفظ

حلال کے مقابلے میں حرام ہے۔ حلال کی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے اس کے مقابل اور حریف کو نہ صرف اُبھرنے نہ دیا جائے، بلکہ اس کا وجود ہی ختم کر دیا جائے اور ایسا صرف ریاستی قوت سے ہی ممکن ہے۔ برائی کے خاتمہ کے لیے وعظ ونصیحت اور تعلیم و تربیت کے ذریعے ذہنوں کی تبدیلی بھی ضروری ہے، مگر شجرۂ خبیثہ پر کاری ضربیں لگانا اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا بھی پیغمبرانہ اسوہ ہے۔ مکی زندگی تدریجی انقلاب کا منظر پیش کرتی ہے تو مدنی زندگی یکدم تبدیلی کا نمونہ ہے۔ اگر حرام کی درآمد و برآمد پر روک لگا دی جائے، فوڈ انسپکٹرز

اپنے فرائض تندہی اور دیانت داری سے انجام دینے لگ جائیں، غذائی مصنوعات کے لیے جو اسٹینڈرڈز مقرر ہیں ان پر پورا عمل ہو اور ریاستی سطح پر ملائیشیا کی طرح ایک ایسا ادارہ بنا دیا جائے جو حلال کے شعبہ کو کنٹرول اور اس سے متعلقہ امور کی نگرانی کر رہا ہو تو ممکن نہیں کہ حلال کو فروغ اور حرام کی بیخ کنی نہ ہو۔

9:۔ ناپسندیدہ قوتوں کی حلال اسکیم میں شمولیت

حلال مارکیٹ اس وقت عروج پر ہے اور میر تقی میر کے اس شعر کا مصداق بن گئی ہے کہ:

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

غیر مسلم بھی اس مارکیٹ میں خاصی دلچسپی رکھتے ہیں، مگر معاملہ چونکہ مذہبی پہلو رکھتا ہے، اس لیے ہمیں انہیں شریعت کے مقرر کردہ حدود تک محدود رکھنا ہوگا۔

10:۔ ادارۂ احتساب کی ضرورت

ہمارا مسئلہ وسائل کی عدم دستیابی یا قوانین کی کمی کا نہیں ہے۔ وسائل سے ہم مالا مال ہیں اور قوانین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اٹھارہ ہزار ہیں۔ اصل مسئلہ اس ہمہ گیر بدعنوانی کا ہے جو ہوا کی طرح ہر جگہ گھس گئی ہے اور اصل مسئلہ قوانین پر خلوص کے ساتھ عمل درآمد کا ہے۔ ہمارا تاجر ہر پروڈکٹ کو سو فیصد خالص اور قدرتی اجزاء سے تیار شدہ کہہ کر بیچتا ہے، دوسری طرف جو ہاتھ قانون کو نافذ کرنے والے ہیں وہ بھی دیانت کے مطلوبہ معیار پر قائم نہیں ہیں۔ رعایا اور حکام میں یہ بدعنوانی اس وجہ سے پھیل گئی ہے کہ ریاستی سطح پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا کہ نیکیوں کو رواج دینا اور برائی کو ختم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اسلامی ادوار میں اس مقصد کے لیے با قاعدہ ادارہ ہوا کرتا تھا، جس کا مقصد ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس ادارے کا دائرہ کار بڑا وسیع تھا اور مذہب اور اخلاقیات کے دائرے میں ہوتے ہوئے ہر سرگرمی پر نظر رکھنا اس کے اختیار میں تھا۔ کھانے پینے کی اشیاء سمیت مختلف پیشوں میں ہونے والی بدعنوانی اور دھاندلی کا انسداد بھی یہی ادارہ کرتا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بازار کے معاینہ کے لیے تشریف لے جانا ثابت ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ملاوٹ شدہ دودھ گرا دینا بھی مشہور واقعہ ہے۔

آج پاکستان میں محتسب کا ادارہ موجود ہے، بلکہ پہلے تو صرف وفاقی محتسب ہوا کرتا تھا اور اب چاروں صوبوں سمیت آزاد کشمیر میں بھی ہے، بلکہ مختلف محکموں کے لیے بھی محتسب ہے اور محتسب کا ادارہ صرف تفتیشی ادارہ نہیں رہا ہے، بلکہ با قاعدہ عدالت بن چکا ہے، مگر اس کا دائرہ کار یہ ہے کہ جب کوئی شہری حکومت کے کسی انتظامی عمل سے نالاں ہو تو وہ محتسب سے شکایت کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ ایک محدود دائرہ ہے اور اس سے اس ہمہ گیر بدعنوانی کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا جو ہر جگہ سرایت کر گئی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ریاستی سطح پر ایک ایسا ادارہ ہو جس طرح کہ مسلم ادوار میں ہوا کرتا تھا۔

میں ان ہی گزارشات پر اکتفا کرتا ہوں اور آپ سب حضرات خصوصاً وزارت سائنس اور سنحا پاکستان کا بے حد مشکور ہوں۔ و صلی اللہ و سلم علی سیدنا محمد النبی الأمی الکریم

حلال فوڈ! امکانات وخدشات

حلال فوڈ کی وسعت

1) فوڈ کے لفظ سے دھیان کھانے پینے کی اشیاء کی طرف جاتا ہے، مگر یہ اس کا محدود تصور ہے، آج کل حلال فوڈ کی اصطلاح ایک وسیع تناظر میں استعمال ہوتی ہے اور اس سے مراد صرف بیف، چکن، مٹن، ڈیری اور بیکری کے آئٹم نہیں ہوتے، بلکہ فوڈ، بیوریج، میڈیسن، کاسمیٹکس یعنی ماکولات ومشروبات سمیت ادویات، خدمات، آرائش وزیبائش کے آلات اور ٹیکسٹائل مصنوعات سب ہی مراد ہوتے ہیں۔

مستقبل قریب میں اس اصطلاح کے اندر اور زیادہ عموم اور وسعت آئے گی اور اگلے کچھ عرصے میں مصنوعات کی فنانسنگ، سورسنگ، پروسیسنگ، اسٹوریج اور مارکیٹنگ وغیرہ سب حلال فوڈ کے دائرے میں آجائیں گے۔ ممکن ہے کہ جس طرح زرعی ولائیو اسٹاک کے

سپلائی چین کے تمام اسٹیک ہولڈرز، مثلاً کاشتکاروں، سپلائرز، نقل و حمل کی کمپنیوں اور تاجروں وصنعت کاروں کو ایک سطح پر لایا جارہا ہے، اسی طرح حلال فوڈ کے سلسلے میں خام مال سے لے کر صارف تک حلال کا ایک مربوط نظام تشکیل دے دیا جائے اور نہ صرف یہ کہ مصنوعات کا مواد اور تیاری اور پیکنگ اور لیبلنگ اور نقل و حمل وغیرہ حلال طریقے سے ہو، بلکہ ان تمام مراحل میں جن عوامل کی بالواسطہ یا بلاواسطہ شرکت ہو اور جو سرمایہ اس میں استعمال ہو وہ بھی حلال ہو۔

2) فوڈ کا یہ مستقبل افلاطون کی آسمانی ریاست کی طرح کچھ تصوراتی اور نظریاتی سا محسوس ہوتا ہے، لیکن حلال کی بڑھتی ہوئی مانگ اس خاکے میں رنگ بھر رہی ہے اور ریاستوں کے معاشی مفادات اس میں روح پھونک رہے ہیں۔ معاشی اعداد و شمار اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ حلال فوڈ کا دائرہ بڑھ اور پھیل رہا ہے۔ اس کی واضح دلیل ورلڈ حلال فورم کی کچھ عرصہ قبل کی یہ جائزہ رپورٹ ہے کہ حلال فوڈ کی تجارت کا حجم اس وقت چھ سو پچاس ارب ڈالر سالانہ ہے اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

3) حلال کے اس بڑھتے ہوئے بزنس اور روز افزوں ترقی کرتی ہوئی مارکیٹ کی وجہ سے اب کسی مسلمان ملک کے لیے اس میدان میں پیچھے رہنا کئی حوالوں سے نقصان کا باعث ہو سکتا ہے۔ بڑا نقصان تو ریاست کے نقطۂ نظر سے معاشی ہے، کیونکہ معاشی فائدہ اس وقت ایک ایسا دیوتا ہے جو ہر جگہ پوجا جاتا ہے اور فرد ہو یا مملکت ہر ایک اس کے سامنے گھٹنوں کے بل گرا نظر آتا ہے۔ مسلمانوں کی کل تعداد کا ستر فیصد حلال کو پسند کرتا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم صارفین بھی حلال پر اعتماد کرتے ہیں۔

حلال کا ٹریڈ مارک ایک مقبول و مرغوب علامت اور صحت و صفائی کی ضمانت بن گیا ہے اور جو مصنوعات اس علامت سے خالی ہوں وہ صارفین کے ایک بڑے طبقے سے محروم رہتی

ہیں۔ جو مال حلال سرٹیفائڈ نہ ہو وہ اگر بیرون ملک برآمد کیا جائے تو وہاں پورٹ پر پڑا رہتا ہے اور وہاں کے حکام برآمد کنندگان سے حلال تصدیق نامہ طلب کرتے ہیں۔ اگر بیرونِ ملک حلال تصدیق نامہ حاصل کیا جائے تو علاوہ دوسری مشکلات کے مال کی لاگت میں کافی اضافہ ہوجاتا ہے۔

4) یہ سن کر کہ حلال کی بین الاقوامی مارکیٹ کا حجم تین ٹریلین ڈالر تک جا پہنچا ہے، خوشی محسوس ہوتی ہے، مگر یہ جان کر طبیعت افسردہ ہوجاتی ہے کہ جس طرح بین الاقوامی سیاست میں مسلمانوں کا وزن نہ ہونے کے برابر ہے، اسی طرح حلال کی تجارت میں بھی مسلمان ملکوں کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف خلیجی ممالک چوالیس ارب ڈالر حلال کی درآمد پر خرچ کررہے ہیں۔ انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک ہے، مگر اُسے گوشت کی سپلائی کرنے والا سب سے بڑا ملک برازیل ہے، حالانکہ حلال ہمارا لوگو اور ہم اس کے علمبردار، اولین داعی اور دنیا کو اس سے روشناس کرانے والے ہیں۔

دوسری طرف غیر مسلم نہ صرف اس میدان میں دلچسپی رکھتے ہیں، بلکہ ان کا مقصد ہی اس اسکیم کو اپنے کنٹرول میں رکھنا ہے۔ اگر وہ لوگوں کا رجحان دیکھ کر اور اپنے معاشی فوائد کے پیش نظر لوگوں کو اسلامی بینکاری کی سہولت دے سکتے ہیں تو حلال فوڈ کے انتظام میں ان کو کیا رکاوٹ ہے!؟۔

ان کی حالیہ کوشش یہ ہے کہ خود ہی اپنے ممالک میں حلال وحرام کے معیارات وضع کریں اور خود ہی اس کے مطابق سرٹیفکیشن اور ریگولیشن کا انتظام کریں۔ جب وہ خود ہی قواعد وضع کرکے ادارے قائم کرلیں گے تو مسلمانوں کے حلال تصدیقی ادارے خود ہی ان کے ممالک سے باہر ہوجائیں گے۔

اگر معاملہ صرف اس حد تک محدود ہوتا کہ وہ اپنے ممالک میں حلال تصدیقی ادارے قائم کریں گے تو مذہبی نقطہ نظر سے کوئی اشکال کی بات نہ تھی، کیونکہ اپنے قوانین میں وہ آزاد ہیں اور مسلمانوں کو ان پر عمل داری حاصل نہیں، مگر قابل افسوس امر یہ ہے کہ مسلمان ملک پاکستان نے بھی انہیں حلال سرٹیفکیشن کی اجازت دے دی ہے۔

5) جو امر خوش آیند اور حوصلہ افزا ہے وہ یہ ہے کہ ہماری خوابیدہ مملکت اب جاگ اٹھی ہے اور ایک بھرپور انگڑائی لے کر وہ دہاڑی بھی ہے جس سے اس کے وجود کا احساس ہو چکا ہے۔ قومی اداروں کو متحرک کیا جا رہا ہے، متعلقہ محکمے قانون سازی کر رہے ہیں، آئے دن ورکشاپ اور سیمینار منعقد ہو رہے ہیں، اخبارات خبریں چھاپ رہے ہیں اور صحافی کالم لکھ رہے ہیں۔ وزراء اعلانات کر رہے ہیں کہ مصنوعات کو حلال سرٹیفائڈ کرنے پر معقول سبسڈی دی جائے گی۔ ایک وزیر موصوف تو سبقت لسانی سے پچاس فیصد سبسڈی دینے کا وعدہ بھی کر بیٹھے تھے۔ وزراء کے ان اعلانات، حکومتی اقدامات اور حلال کے متعلق قانون سازی وغیرہ سے حلال فوڈ کے میدان میں حکومت کی دلچسپی ظاہر ہوتی ہے، بلکہ دعویٰ تو پاکستان کو حلال کچن اور حلال کے لیے رول ماڈل بنانے کا ہے، لیکن اندیشہ یہ ہے کہ حلال فوڈ کا یہ غلغلہ بھی سب سے پہلے پاکستان، ایشین ٹائیگر، سرسبز پاکستان اور قرض اتارو ملک سنوارو کے نعروں کی طرح محض وعدہ، خالی نعرہ، سیاسی شوشہ اور سبز باغ نہ ہو جو لوگوں کو دکھایا جا رہا ہو۔

6) بظاہر حکومت سنجیدہ ہے اور خدشہ بے بنیاد ہے۔ حکومت اگر حلال تجارت میں زیادہ سے زیادہ حصے کی خواہاں ہے تو کوئی قابل اعتراض فعل نہیں، بلکہ اس ضمن میں مقدور بھر کوشش اس پر لازم ہے۔ دینی نقطہ نظر سے جب ہم کہتے ہیں کہ حلال کی ترویج اور حرام کا سدباب ہر ایک کی ذمہ داری ہے تو پھر حکومت کا عمل قابل اعتراض کیسے ہو سکتا ہے؟!

اگر غذائی مصنوعات کے علاوہ بھی حلال فوڈ کا دائرہ پھیلتا ہے تو اسلام کے تصورِ حلال

وحرام کے عین مطابق ہے، کیونکہ حلال وحرام کا تعلق صرف کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے سے نہیں، بلکہ یہ ایک قدر اور معیار کا نام ہے اور عالمگیر پیغام ہے جو ہر شعبہ میں اپنا احیاء چاہتا ہے۔ اسلام اگر زمان ومکان کی قید سے بے نیاز اور رنگ ونسل کی تحدید سے بالاتر ہے تو اس کا تصورِ حلال وحرام صرف صارف یا صانع تک یا محض کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے تک یا کسی خاص شعبہ تک کیسے محدود ہوسکتا ہے؟!

7) بہرحال جو اندیشہ ہے وہ یہ نہیں کہ حکومت سنجیدہ ہے یا نہیں، بلکہ اصل اندیشہ یہ ہے کہ حلال کا معاملہ نازک اور حساس ہے۔ دوسری طرف یہ بات کہ حکومت جس چیز میں پڑی ہے وہ کب سلامت رہی ہے۔ زکوٰۃ اور عشر کا نظام، معیشت کی اسلامائزیشن کا معاملہ اور اسلامی بینکاری کا قصہ وغیرہ ایسے معاملات ہیں جن سے اس خدشے کو تقویت ملتی ہے کہ حکومت کی مداخلت سے اس اسکیم کا رخ کسی اور طرف نہ ہوجائے۔

8) ایک اور اندیشہ یہ ہے کہ حلال ٹریڈ میں اضافہ اسی وقت ممکن ہے جب ہماری مصنوعات حلال معیار کے مطابق ہوں اور اس کے ساتھ ہم ورلڈ حلال سرٹیفکیشن کا حصہ بن جائیں اور اپنی مصنوعات کو بین الاقوامی حلال معیارات سے ہم آہنگ کرلیں۔ لیکن بین الاقوامی معیارات کو اگر بصیرت اور حکمت عملی کے ساتھ نافذ کرنے کے بجائے اندھادھند نافذ کیا گیا تو اس کے نتیجے میں مقامی تجارت دب کر اور ملکی مصنوعات کھوٹی ہوکر رہ جائیں گی اور بین الاقوامی معیارات کو نافذ کرنے کا مطلب یہ نکلے گا کہ ملکی مصنوعات کی برآمد ممنوع اور باہر کی مصنوعات درآمد کرنے کی کھلی اجازت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان معیارات میں حفظانِ صحت اور کوالٹی کنٹرول کے اصول بھی لازمی شرائط کا درجہ رکھتے ہیں، جب کہ ہمارے ہاں کی صورتحال سے ہر پاکستانی بخوبی واقف ہے۔ اگر عملی مشاہدہ درکار ہو تو کسی ملٹی نیشنل کمپنی کا وزٹ کیجیے، وہاں کے

پروڈکشن ایریا میں جو صفائی وستھرائی اور چمک دمک نظر آئے گی اور پروڈکٹ کے مناسب جو درجہ حرارت اور ماحول وہاں قائم ہوگا، ملکی کمپنیوں کے لیب میں بھی اس درجہ کا معیار نظر نہیں آئے گا، ایسے واضح فرق کے ساتھ عالمی معیار یہاں نافذ کردیے گئے تو نتیجہ اپنی مصنوعات کی کھپت روکنے کے سوا اور کیا ظاہر ہوگا؟!۔

9) مقصد یہ بھی نہیں کہ کوالٹی کنٹرول اور حفظانِ صحت کے اصولوں کی سرے سے ضرورت ہی نہیں اور ہمارے تاجر اور صنعت کار غذا کے نام پر لوگوں کو زہر کھلاتے رہیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ مقامی تجارت کو تدریجاً اس سطح پر لایا جائے، کیونکہ ایک تو محض قانون کے زور پر تبدیلی مشکل ہوتی ہے۔

دوسرے قانون سے پہلے اس کے لیے سازگار ماحول اور مناسب فضا درکار ہوتی ہے، ورنہ نتیجہ قانون کی ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے۔ تیسرے ایسے قوانین سے معاشرے میں ہلچل اور اضطراب ضرور پیدا ہوتا ہے، مگر عملی افادیت نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

10) ان بین الاقوامی معیارات کو روبہ عمل لانے سے پہلے یہ اطمینان بھی ضروری ہوگا کہ کہیں حلال کے اسلامی معیارات ان بین الاقوامی معیارات میں گم ہوکر رہ نہ جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو دنیا کے سامنے حلال کا صاف اور واضح تصور نہ آسکے گا اور اس کی وجہ سے حلال فوڈ کے پیچھے جو دینی اور دعوتی مقاصد ہیں وہ حاصل نہ ہوسکیں گے، کیونکہ حلال فوڈ سے مقصود صرف تجارت نہیں بلکہ دنیا کو اسلام کے آسان، سادہ اور فطرت کے عین مطابق اصولوں سے واقف کرانا بھی ہے اور انہیں عملی طور پر یہ باور کرانا ہے کہ اسلامی اصول، روح اور اخلاق کے ساتھ ان کی صحت وزندگی کے بھی ضامن ہیں۔

ممکن ہے کہ جو لوگ ہر معاملہ کو معاشی مفادات کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں وہ

اس جیسے کسی مشورہ کو درخور اعتناء نہ سمجھیں، مگر اس سوچ کو نظر انداز کرنے کا نقصان یہ ہوگا کہ حلال کی اسکیم عوامی حمایت اور زیادہ صاف لفظوں میں مذہبی حمایت سے محروم ہو جائے گی اور اگر عام مذہبی طبقہ کی اس طرف توجہ نہ ہو یا وہ بھی اسے اہمیت نہ دیں تو اہل علم کا فریضہ ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں آواز اٹھائیں، کیونکہ وہ نگران ونگہبان ہیں اور دین حنیف کے مزاج اور خصوصیت کی حفاظت ان کی ذمہ داری ہے۔

(11) ورلڈ حلال سرٹیفکیشن کا حصہ بننے سے قبل کچھ اور امور بھی ہیں جو فوری توجہ چاہتے ہیں اور جو ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔

خوراک ہر جاندار کی بنیادی ضرورت ہے۔ مناسب، متوازن، صحت بخش اور معیاری خوراک، صحت مند نشوونما اور بیماریوں سے تحفظ کے لیے ناگزیر ہے، جب کہ ناقص، غیر متوازن اور غذائیت سے عاری خوراک سے انسان مختلف قسم کی بیماریوں، ذہنی و جسمانی معذوریوں اور ناامیدی و مایوسیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ بین الاقوامی معاہدات کی رو سے بھی ایک فعال اور صحت مند زندگی گزارنے کے لیے ہمہ وقت درکار مناسب خوراک تک تمام افراد کی رسائی ضروری ہے۔ آئین پاکستان ریاست کے ہر شہری کو خوراک سمیت زندگی کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کو یقینی بنانے کا تقاضا کرتا ہے۔

بہر حال بین الاقوامی معاہدات، ریاستی قوانین اور دینی تعلیمات کی روشنی میں رعایا کو صاف اور متوازن خوراک کی فراہمی وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی ذمہ داری ہے، مگر صورت حال یہ ہے کہ لوگ معیاری اور مناسب خوراک جیسی بنیادی ضرورت سے محروم ہیں۔ جو قوانین ملکی سطح پر رائج ہیں ان پر عمل درآمد کا یہ حال ہے کہ ملک میں بھیڑ بکری کے گوشت کے بجائے کتوں اور گدھوں کا گوشت بھی فروخت کر دیا جاتا ہے۔ ایسے واقعات اگرچہ کم ہیں، مگر سسٹم کی

خرابی اور متعلقہ محکموں کی غفلت کا ثبوت ضرور ہیں۔ دوا کے نام پر توزہر کی فروخت عام ہے، یہاں تک کہ جان بچانے والی ادویات میں بھی ملاوٹ ہوتی ہے، حالانکہ ڈرگ ایکٹ مجریہ ۱۹۷۶ء کے تحت جعلی اور زائد المیعاد اور غیر معیاری ادویات کی خرید وفروخت ممنوع ہے اور ایسی دواساز کمپنیوں، ڈرگ اسٹورز اور ڈسٹری بیوٹرز کے خلاف سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔

۲۰۰۲ء میں ترمیم کے ذریعے اس قانون کو مزید سخت کر دیا گیا ہے اور ڈرگ انسپکٹر کو ایسی کمپنی، کارپوریشن، فرم اور اس کے ڈائریکٹرز اور ملازمین کے خلاف کارروائی کا اختیار دیا گیا ہے۔ ۱۹۷۶ء کے مذکورہ ایکٹ کے بعد کوئی بھی شخص کسی بھی طریقے سے کوئی جعلی ''Spurious'' نقلی ''Counterfeit'' غلط نشان زدہ ''Misbranded'' ملاوٹ والی ''Adulterated'' غیر معیاری ''Substandard'' اور ایکسپائری ''Expiry'' دوا فروخت نہیں کر سکے گا۔ مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ملاوٹ کی لعنت، ایلوپیتھی، ہومیو پیتھی اور یونانی طب سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے، حالانکہ ادویات میں ملاوٹ ایسا گھناؤنا فعل ہے جو بسا اوقات انسانی جان بھی لے لیتا ہے۔

12) ۱۹۸۳ء میں دنیا میں پہلی بار صارفین کے حقوق کا عالمی دن منایا گیا جس کے بعد یہ معاملہ اہمیت اختیار کر گیا اور اب ہر سال ۱۵/ مارچ کو دنیا بھر میں یہ دن منایا جاتا ہے۔ اس دن صارفین کی تنظیمیں جاگ جاتی ہیں، سیمینار اور ورک شاپ منعقد ہوتے ہیں، بینرز، پوسٹرز اور واک کر کے اور پریس کانفرنسوں کے ذریعے صارفین کے حقوق کو اُجاگر کیا جاتا ہے۔ صارفین کے حقوق سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ پیداواری عمل سے لے کر تیاری تک کے تمام مراحل میں صارف کو تحفظ اور رہنمائی فراہم کی جائے گی اور اس کے ساتھ یہ بات یقینی بنائی جائے گی کہ صارف کے طویل المدتی مفادات کا تحفظ ہو اور اس کو ملنے والی خدمات اور

مصنوعات معیاری ہوں اور ان کے متعلق اسے درست معلومات فراہم کی جائیں گی اور اسے گمراہ کن تشہیر کی صورت میں دھوکہ دہی سے بچایا جائے گا، اس کے ساتھ پالیسیاں بناتے وقت صارفین کی تجاویز اور مطالبات کو مناسب جگہ دی جائے گی اور اس سے ہونے والے کسی نقصان کی مناسب تلافی کی جائے گی۔

۹/اپریل ۱۹۸۵ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے صارفین کے حقوق کو اپنی گائیڈ لائن کے طور پر شامل کیا۔ پاکستان بھی بین الاقوامی برادری کا رُکن ہونے کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی وضع کردہ گائیڈ لائن پر عمل کا پابند ہے۔ ملکی سطح پر صارفین کے حقوق کے متعلق قوانین موجود ہیں اور سندھ اسمبلی نے تو پچھلے سال کنزیومر پروٹیکشن ایکٹ کی صورت میں صارفین کے حقوق کا قانون بھی منظور کیا ہے اور شنید یہ تھی کہ قانون کے ساتھ صارفین کو فوری اور سستا انصاف فراہم کرنے کی غرض سے کنزیومر کورٹس بھی قائم کی جائیں گی، مگر اس کے باوجود ناقص، غیر معیاری اور مضر صحت اشیاء کی فروخت عام ہے۔ جانوروں کو گندے مذبح خانہ میں ذبح کر کے کھلے ٹرکوں اور آلودہ ماحول میں گوشت مارکیٹوں تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ انعامات کا لالچ دے کر اور جھوٹی اشتہار بازی کے ذریعے عوام کو گھٹیا اشیاء فراہم کر دی جاتی ہیں، مگر نہ حکومت کا کوئی وجود نظر آتا ہے اور نہ قانون کو حرکت ہوتی ہے۔

خلاصہ

1) حلال فوڈ ایک وسیع اصطلاح ہے اور اس کا دائرہ بڑھ اور پھیل رہا ہے۔ (پیرا نمبر: 1، 2)

2) ہماری حکومت بھی اس شعبہ میں دلچسپی لے رہی ہے۔ (پیرا نمبر: 5)

3) شرعی حوالے سے حکومت پر اس ضمن میں مقدور بھر کوشش لازم ہے۔ (پیرانمبر:6)

4) کیونکہ اب اس میدان میں پیچھے رہنا کئی حوالوں سے نقصان دہ ہے۔ (پیرانمبر:3،4)

5) مگر گورنمنٹ پر یہ احتیاط لازم ہے کہ اس اسکیم کا اسلامی تشخص برقرار رہے۔(پیرانمبر:7)

6) حلال وحرام کے حوالے سے قانون سازی کے وقت حکمتِ عملی کے اصول طے کرنا ضروری ہیں۔(پیرانمبر:8)

7) بین الاقوامی معیارات کے نفاذ سے قبل یہ اطمینان ضروری ہے کہ اسلامی اصول ان میں دب کر نہ رہ جائیں، کیونکہ حلال فوڈ کے پس پشت دینی ودعوتی مقاصد کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ مادی فوائد کی حیثیت ضمنی وثانوی ہے۔(پیرانمبر:9،10)

8) نئے قانون کے اجراء ونفاذ سے قبل پہلے سے موجود قوانین پر عمل درآمد کی ضرورت ہے، جن میں ملاوٹ وجعل سازی کی روک تھام، مناسب غذا کی فراہمی اور صارفین کے حقوق کے تحفظ کا قانون شامل ہو۔(پیرانمبر: 11،12)

قلیل حرام پر مشتمل غذائی مصنوعات

بعض غذائی مصنوعات جو کسی غیر مسلم ملک سے درآمد کی جاتی ہیں یا مقامی طور پر تیار کی جاتی ہیں، ان میں کوئی بنیادی یا اضافی ایسا جزء یا عنصر بھی شامل ہوتا ہے جو شرعاً ممنوع ہوتا ہے، مگر وہ جزء اتنا معمولی اور مقدار میں اتنا کم ہوتا ہے کہ پورے پروڈکٹ کے مقابلے میں اس کی نسبت بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، مثلاً: ہزار لیٹر محلول میں ایک لیٹر الکحل ہو تو اس کی نسبت ہزارواں حصہ بنتی ہے، گویا کہ ہزار قطروں میں ایک قطرہ اور ہزار دانوں میں ایک دانہ حرام کا ہے۔

مجموعے کے مقابلے میں اس قلیل تناسب کی وجہ سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی مصنوعات کا خوردنی استعمال جائز ہے یا ناجائز؟ یہی اس تحریر کا موضوع ہے۔(۱)

---

۱) اس موضوع کے متعلق مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: مفتی سفیر الدین ثاقب صاحب کا مقالہ: ''وہ مصنوعات جن میں قلیل مقدار میں حرام شامل ہو'' مذکورہ مقالہ راقم کے پیش نظر رہا ہے اور اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔، جس پر احقر اس کے مؤلف کا شکرگزار ہے۔

پہلا نقطہ نظر: جواز

اگر مقدار کی اس کمی کو مد نظر رکھیں اور اس کے ساتھ کچھ اور عقلی و نقلی دلائل کا اضافہ کر لیں تو بظاہر ایسے پروڈکٹ کا خوردنی استعمال جائز ہونا چاہیے، مثلاً:

۱) شراب جب بدل کر سرکہ بن جائے تو بالاتفاق وہ حلال ہو جاتی ہے، حالانکہ ماہرین کے بقول اس میں پھر بھی تقریباً دو فیصد شراب کے اجزاء باقی رہ جاتے ہیں، مگر شریعت اس مقدار کو خاطر میں نہیں لاتی اور اس کو حلال تصور کرتی ہے، لہٰذا کوئی پروڈکٹ قلیل حرام پر مشتمل ہو تو اُسے حلال ہونا چاہیے، جیسا کہ سرکہ حلال ہے۔

۲) اگر کسی پروڈکٹ میں کسی جائز یا ناجائز عنصر کی آمیزش بہت کم مقدار میں ہو تو علاوہ صانع کے کسی اور کے لیے اس کا علم بہت مشکل قریباً ناممکن ہے، اس لیے صارف اپنی لاعلمی کی وجہ سے معذور ہے اور بعض صورتوں میں مجبور بھی ہے۔

۳) صانع بعض صورتوں میں کسی قلیل عنصر کے اظہار کا پابند بھی نہیں ہوتا مثلاً وہ عنصر مضر نہ ہو یا غیر فعال جزء ہو، اگر کوئی جزء فعال بھی ہو تو قانون کی عدم موجودگی یا عدم تعمیل اسے عدم اندراج کا جواز فراہم کرتی ہے اور اگر وہ کسی قلیل جزء کا لیبل پر اظہار کر دے تو بھی ایک جزء کئی اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔

۴) جس چیز کو صارف حرام سمجھتا ہو ضروری نہیں کہ وہ شریعت میں بھی حرام ہو، مثلاً: الکحل اگر چار حرام شرابوں میں کسی ایک سے کشید نہیں کیا گیا ہے اور اتنی کم مقدار میں شامل کیا گیا ہے کہ نشہ کی حد تک نہیں پہنچتا تو شرعاً اس کے استعمال کی اجازت ہے۔ شنید ہے کہ ایک حلال تصدیقی ادارے نے کسی پروڈکٹ میں صفر اعشاریہ ایک فیصد الکحل کی اجازت دی ہے۔

۵) صارفین کا عمومی رویہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ زیادہ کھوج کرید، چھان پھٹک اور گہرائی میں جانے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے، خصوصاً تحریر کو تو بہت ہی کم ملاحظہ کرتے ہیں۔ بجلی اور گیس وغیرہ کے بلوں پر متعلقہ محکموں نے ضروری قوانین درج کیے ہوتے ہیں، جان بچانے والی ادویات کے ساتھ ضروری ہدایات پر مشتمل پرچہ ساتھ ہوتا ہے، مگر لاکھوں میں شاید گنتی کے چند ہی اس کو پڑھنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں اور اگر کوئی استثنائی مثال ایسی ہو کہ کوئی صارف احتیاط پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرے تو بھی اس کے لیے حقیقت تک رسائی مشکل ہے، کیونکہ ہمارے ہاں ابھی صارفین کے حقوق کے لیے یہ قانون نافذ نہیں ہوا ہے کہ پروڈکٹ پر اجزاء کا اندراج لازم ہے، اس لیے متعلقہ قانون کی عدم موجودگی یا اس کی عدم تعمیل کا یہ اثر ہے کہ کمپنیاں مبہم اور مجمل قسم کے الفاظ پروڈکٹ پر درج کر دیتی ہیں، مثلاً: فلیور یا مصنوعی رنگ بھی شامل ہے، مگر وہ فلیور اور رنگ کس چیز سے بنا ہے؟ کمپنی اس کو ابہام کے دبیز پردوں میں چھپا لیتی ہے۔

اگر کسی پروڈکٹ پر تمام اجزائے ترکیبی درست انداز میں درج ہوں تو خود صارف کے لیے اس کا سمجھنا مشکل ہے اور جب مینوفیکچرر کسی قلیل حرام جزء کے اظہار کا پابند ہی نہیں تو صارف کے لیے باوجود خواہش وجستجو کے اصل حقیقت کا جاننا متعذر ہو جاتا ہے۔

بالفرض اگر وہ تمام اجزاء ترکیبی معلوم کر لے تو ایک جزء کئی اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ اجزاء جس سے ایک جزء مرکب ہے، کیا ہیں؟ اس کی تحقیق ایک حلال تصدیقی ادارے کے لیے تو ممکن ہے، مگر صارف کے لیے نہیں اور حلال تصدیقی ادارے بھی ابھی اپنے سن طفولیت اور عہدِ آغاز میں ہیں، چنانچہ کسی پروڈکٹ کے حلال یا حرام ہونے کے متعلق معلومات ابھی اتنی

آسان نہیں جتنی اور مسائل کے متعلق آسان ہیں۔

حلال تصدیقی ادارے بھی پروڈکٹ کے اضافی مشمولات کے متعلق یا تو اپنی سابقہ معلومات اور تجربات کی بنا پر یا پھر اصل صانعین سے براہِ راست رابطہ کر کے جواب دینے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ اصل صانعین یورپی ممالک ہیں۔ اٹلی، جرمنی، فرانس، ہالینڈ وغیرہ ایسے ممالک ہیں جو بڑے پیمانے پر اجزائے ترکیبی اور اضافی غذائی مشمولات تیار کرتے اور برآمد کرتے ہیں اور وہی جانتے ہیں کہ کون سی شے کن اشیاء سے مرکب ہے۔ ہمارے جوڑیا بازار کا تاجر ہزاروں غذائی اجزاء درآمد ضرور کرتا ہے، مگر پنساری کی طرح ہر ایک کے خواص اور حقیقت اسے بھی معلوم نہیں ہوتی۔

۶) اگر کوئی شخص یا ادارہ کسی پروڈکٹ کے تمام اجزاء ترکیبی معلوم کرنا چاہے تو ایسا اس پروڈکٹ کے کیمیائی تجزیے کے بغیر ممکن نہیں اور کیمیائی تجزیہ و تحلیل صارف تو درکنار کسی حلال سرٹیفکیشن باڈی کے لیے بھی ایک مستقل نظم کے طور پر ممکن نہیں، کیونکہ مصنوعات کی کثرت، وسائل کی قلت اور مطلوبہ آلات کی عدم دستیابی سمیت بے شمار وجوہات ایسی ہیں کہ کسی حلال اتھارٹی کے لیے بھی اس معیار پر پروڈکٹ کا جانچنا ممکن نہیں۔ اسلامی ممالک میں سے ملائیشیا کے متعلق شنید ہے کہ اس نے مشکوک پروڈکٹ کے ڈین اے ٹیسٹ کو لازم قرار دیا ہے۔ یہ اقدام شرعی لحاظ سے کیا حکم رکھتا ہے اور اس کے اثرات و مضمرات کیا ہوں گے؟ اگر ہم گفتگو کا رخ اس جانب موڑ دیں تو موضوع سے دور جا نکلیں گے۔

سر دست مقصد یہ ہے کہ اگر ہم اس رخ سے دیکھیں سرکہ میں قلیل الکحل ہوتا ہے، مگر اس کا استعمال جائز ہے، نیز جو چیز قلیل مقدار میں شامل کی گئی ہو تو اس کا ظاہر کرنا ضروری نہیں۔ مزید یہ کہ صارف کے لیے از خود تحقیق بہت ہی مشکل ہے اور عام علماء اور اہل افتاء کو

ابھی فقہ الحلال میں اتنی مہارت نہیں کہ پوچھتے ہی چھوٹتے جواب دے دیں۔ اس کے علاوہ شریعت میں قلیل ومغلوب معاف ہوتا ہے اور شریعت کا عمومی مزاج بھی یسر وسہولت کا ہے۔ ان پہلوؤں پر سوچنے سے ذہن یہ بنتا ہے کہ کسی چیز میں حرام جزء بہت کم بالکل نہ ہونے کے برابر استعمال کیا گیا ہو تو اس کے استعمال کی اجازت ہونی چاہیے۔

دوسرا نقطہ نظر: عدم جواز کا پہلو

۱) اگر ایک دوسرے پہلو سے دیکھیں تو ایسی مصنوعات کا استعمال جائز نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ حرام حرام ہے، اگرچہ مقدار میں کم ہو اور تھوڑا حرام بقیہ حلال کو بھی حرام بنا دیتا ہے، جیسا کہ سو قطرے گلاب کو ایک بوند پیشاب کا ناپاک کر دیتا ہے یا درسی زبان میں یوں کہہ لیں کہ نتیجہ اخص وارذل کے تابع ہوتا ہے۔

۲) ہم ایسی مصنوعات کے استعمال پر مجبور بھی نہیں ہیں۔ حرام کا شیوع ضرور ہے، مگر حلال ابھی دنیا سے معدوم نہیں ہوا ہے اور اگر مجبور ہوئے تو شریعت کا قانونِ ضرورت موجود ہے۔ قانونِ ضرورت کے تحت مجبور حضرات کو تو گنجائش مل سکتی ہے، مگر عام لوگوں کو اجازت نہیں ہو سکتی۔

۳) قلت وکثرت اور غالب ومغلوب کی دلیل بھی زیادہ معقول نہیں، کیونکہ مدار قلت اور کثرت پر نہیں بلکہ اہمیت اور ضرورت پر ہونا چاہیے۔ بسا اوقات کوئی چیز مقدار میں کم مگر کردار میں بہت اہم ہوتی ہے، جیسا کہ نمک کی مقدار کم ہوتی ہے، مگر ذائقے کا مدار اس پر ہوتا ہے اور کبھی کوئی جزء قلیل ہوتا ہے، مگر وہی اہم عنصر، پروڈکٹ کی جان اور استعمال سے مطلوب ہوتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں بھی اس فلسفے پر عمل کیا جائے گا کہ جس جزء کا تناسب بہت کم ہو اس کے استعمال کی اجازت ہے؟

جواز کی حقیقی علت

ان اختلافی دلائل اور متضاد پہلوؤں کے بعد ہم حل کی طرف بڑھتے ہیں۔ اگر ہم غالب اور مغلوب کے اصول کو لیں اور یوں کہیں کہ جب حلال کو غلبہ اور اکثریت حاصل ہو تو غالب اور اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے پروڈکٹ کو حلال ہونا چاہیے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، کیونکہ جب حلال اور حرام جمع ہوتے ہیں تو غلبہ حرام کو حاصل ہوتا ہے: ''إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام'' مشہور قاعدہ ہے۔

لہٰذا غالب اور مغلوب کا قاعدہ اس پہلو سے بحث میں مفید نہیں ہوسکتا، البتہ ایک دوسرے پہلو سے ایسی مصنوعات کے استعمال کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ وہ پہلو یہ ہے کہ شریعت کا عمومی مزاج یسر اور سہولت کا ہے۔ جب تنگی اور مشقت عمومی نوعیت کی ہو اور اس میں ابتلاء عام اور بچنا مشکل ہو تو پھر شریعت بڑی وسعت اور سخاوت کے ساتھ اور بہت فیاضی اور کشادہ دلی سے گنجائش پر گنجائش دیتی ہے۔

اس کے ساتھ شریعت کا یہ بھی قاعدہ ہے کہ: ''القليل مغتفر'' یعنی ''قلیل مقدار معاف ہے۔''(۱)

متذکرہ قاعدہ کے ہم معنی یہ قواعد بھی ہیں: ''القليل كالمعدوم'' یعنی تھوڑا گویا نہ ہونا ہے۔

''اليسير تجري المسامحة فيه'' یعنی تھوڑے سے چشم پوشی کی جاتی ہے اور

---

۱) ''القليل مغتفر'' کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: ''التطبيقات الفقهية لقاعدة اليسير مغتفر في البيوع'' مؤلف حاکی بن محمد کانوریتش۔

اِغماض برتا جاتا ہے۔

''الیسیر معفو عنه''یعنی تھوڑا نظر انداز کردیا جاتا ہے۔

ان ملتے جلتے قواعد کے علاوہ مختلف فقہی ابواب میں بھی شریعت قلیل مقدار کو نظر انداز کردیتی ہے، مثلاً:

ا:۔ کپڑوں پر سوئے کے ناکے کے برابر پیشاب کی چھینٹیں لگی ہوں تو وہ معاف ہیں۔

۲:۔ نماز کے دوران قبلہ سے معمولی انحراف ہوجائے تو نماز ہوجاتی ہے۔

۳:۔ دورانِ نماز ستر معمولی طور پر کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔

۴:۔ معمولی تاخیر سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

۵:۔ عمل قلیل نماز میں معاف ہے۔

۶:۔ روزے میں اگر بہت معمولی چیز حلق میں چلی جائے تو روزہ ٹوٹتا نہیں۔

۷:۔ زکوۃ میں دو نصابوں کے درمیان کی مقدار معاف ہوتی ہے۔

۸:۔ بیع میں اگر ایجاب اور قبول میں معمولی وقفہ ہو تو شریعت پھر بھی ایجاب کا قبول کے ساتھ اتصال مانتی ہے۔

۹:۔ یمین سے استثنا کرتے وقت اگر کھانسی وغیرہ کے عذر سے معمولی تاخیر ہوجائے تو شریعت اس تاخیر کو تاخیر نہیں سمجھتی۔

۱۰:۔ مبیع، ثمن اور مدت میں معمولی جہالت معاف ہے۔

۱۱:۔ اجارہ میں اگر مدتِ اجارہ کے اندر معمولی جہالت ہو اور عام طور پر گوارہ کر لی جاتی ہو تو اس سے عقدِ اجارہ فاسد نہیں ہوتا۔

۱۲:۔ مبیع میں اگر معمولی عیب ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

۱۳:۔ غبن یسیر اور غررِ یسیر بھی معاف ہے۔

۱۴:۔ قربانی کے جانور میں معمولی عیب معاف ہوتا ہے۔

۱۵:۔ مردوں کے لیے ریشم کی قلیل مقدار کا استعمال جائز ہے۔

۱۶:۔ جانور ذبح کرتے وقت اگر تسمیہ اور ذبح میں معمولی فصل آ جائے تو اس سے جانور مردار نہیں ہوتا۔

۱۷:۔ وقف جائیداد کو اجرتِ مثل پر دینا ضروری ہے، لیکن اجرتِ مثل سے معمولی کمی جائز ہے۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کا مزاج یہ ہے کہ وہ قلیل مقدار معاف کر دیتی ہے، اس لیے غذائی مصنوعات میں اگر بہت قلیل مقدار میں غیر شرعی عنصر شامل ہو تو اُسے معاف ہونا چاہیے۔

قلیل سے متعلق ضروری تنقیحات

۱) اگر اس نظریے کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ مصنوعات میں قلیل مقدار حرام کی شمولیت معاف ہے، تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ قلیل سے مراد کیا ہے اور کس قدر قلیل

معاف ہے؟ کیونکہ قلیل کا کوئی لگا بندھا اور طے شدہ معیار نہیں۔

معاملات میں قلیل کچھ ہے تو ماکولات ومشروبات میں کچھ اور۔

فعل اور عمل کے لیے قلیل کی جو کسوٹی ہے وہ قدر اور مقدار کے لیے نہیں۔

حقوق العباد میں قلیل کا معیار جتنا سخت اور کڑا ہے، حقوق اللہ میں اتنا ہی نرم اور لچکدار ہے۔

پھر ایک ہی مقدار ایک معاملہ میں قلیل سمجھ کر نظر انداز کی جاتی ہے تو دوسرے معاملے میں اس سے چشم پوشی نہیں کی جاتی، مثلاً: لوہے اور مٹی وغیرہ کے لین دین کے وقت کلو اور من کو بھی کم سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، لیکن سونے کی خرید وفروخت ہو تو رَتی رَتی کا حساب کیا جاتا ہے۔

خود شریعت نے کسی جگہ چوتھائی اور کبھی تہائی اور بعض اوقات نصف سے کم کو قلیل کہا ہے۔ جب قلیل کا کوئی ایسا متعین اور لگا بندھا معیار نہیں جو تمام ہی مسائل میں اصل اور بنیاد کا کام دے سکے تو سب سے پہلے ہمیں غذائی مواد کے سلسلے میں قلیل کا معیار طے کرنا چاہیے۔

۲) اس کے ساتھ شریعت کسی چیز کے داخلی اور خارجی استعمال میں فرق کرتی ہے۔ عین ممکن ہے بلکہ امر واقعہ ہے کہ ایک ہی شئے کا خوردنی اور داخلی استعمال تو ناجائز ہو، مگر اس کا بیرونی اور خارجی استعمال جائز اور حلال ہو، جیسا کہ حشرات الارض سمیت ایسی اشیاء جو پاک ہوں مگر حلال نہ ہوں تو ان کا خوردنی استعمال ناجائز اور خارجی استعمال جائز ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں داخلی اور خارجی استعمال کا فرق بھی روا رکھنا ہوگا۔

۳) یہ سوال کہ حرام کے امتزاج اور آمیزش کے بعد کسی چیز کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ صرف اور صرف صارف کے نقطہ نظر سے ہے۔ صانع کے پہلو سے مسئلے کی مختلف

صورتیں ہوں گی جن کے احکام علیحدہ ہوں گے، البتہ ایک عمومی اصول کے طور پر حرام کی قصداً آمیزش جائز نہیں۔

۴) یہ تمام بحث اس بنیاد پر ہے کہ کسی چیز میں حرام موجود ہو، لیکن بہت کم مقدار میں ہو، لیکن اگر حرام' حرام نہ رہے، بلکہ بدل کر حلال ہو جائے، جیسا کہ انقلابِ ماہیت کی صورت میں ہوتا ہے تو قلیل وکثیر کی ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کیمیائی عمل کے نتیجے میں غذائی مواد کے ماہرین اور اہل فتویٰ حضرات قرار دیں کہ قلب ماہیت کے باعث مصنوع میں شامل کوئی حرام جزء بدل گیا ہے تو وہ پورا پروڈکٹ حلال کہلائے گا۔

۵) آخری نکتہ جو آگے بڑھنے سے پہلے ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ شریعت کے قانونِ ضرورت کے تحت اگر کسی مجبور یا بیمار شخص کو حرام استعمال کرنے کی اجازت مل جائے تو وہ صورت ہماری گفتگو سے خارج ہے، کیونکہ ضرورت کے اصول کچھ اور ہیں۔

قلیل کا معیار

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ شریعت جس قلیل سے چشم پوشی کرتی ہے، اس قلیل کا تعین ہونا چاہیے۔ لیکن جس طرح فقہ کے تمام ابواب میں قلیل کی کوئی ایک مقدار متعین نہیں، اسی طرح خاص غذائی اجناس اور ماکولات ومشروبات کے بارے میں بھی قلیل کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اشیاء حرام ہیں وہ مختلف اسباب کی بنا پر حرام ہیں اور جب اسباب مختلف ہیں تو لامحالہ مقدار بھی مختلف ہوگی۔ وہ اسباب جن کی بنا پر شریعت کسی چیز کو حرام قرار دیتی ہے، علماء شریعت نے استقراء کے بعد قرار دیا ہے کہ پانچ ہیں:

۱:۔ضرر ۲:۔سکر ۳:۔خبث

۴:۔کرامت ۵:۔نجاست۔

ان اسباب میں سے ہر سبب کا دائرہ مختلف ہے، مثلاً: کوئی چیز مضر ہوتو ضروری نہیں کہ وہ نجس بھی ہو اور جو نجس ہو تو لازم نہیں کہ وہ مسکر بھی ہو اور جو مکرم ومحترم ہو تو اس کا مضر ومسکر اور خبیث ونجس ہونا لازم نہیں۔

مزید یہ کہ اشیاء مختلف ہیں، کبھی کسی شئے کا ایک جزء پاک تو دوسرا ناپاک ہوتا ہے، ایک خاص مقدار میں خبث ہوتا ہے تو اس سے کم مقدار خبث سے خالی ہوتی ہے، ایک ہی شئے ایک شخص کے لیے بوجہ ضرر حرام تو دوسرے کے لیے بوجہ عدم ضرر حلال ہوتی ہے۔ لہٰذا قلیل کی مقدار کو اسی وقت معلوم کیا جاسکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس کی حرمت مذکورہ اسبابِ حرمت میں سے کس کی بنا پر ہے؟

مضرت

اگر حرمت کا سبب مضرت ہو تو اس کی اتنی مقدار کا استعمال جائز ہوگا جو مضرت کا باعث نہ ہو، کیونکہ حرمت کی علت مضرت ہے اور جب مضرت نہ ہو تو پھر حرمت بھی نہیں۔ جب علت کسی شئے کا ضرر رساں ہونا ہو تو اگر کوئی چیز مفرد حیثیت سے مضر نہ ہو، لیکن مجموعہ میں جا کر وہ مضر بن جاتی ہو تو ضرر کی علت کی وجہ سے اس کا استعمال ناجائز ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ایک چیز مفرد حیثیت سے نقصان دہ ہو، لیکن خلط وترکیب اور امتزاج وآمیزش سے اس کا نقصان دور ہوجاتا ہو تو اس کا استعمال جائز ہوگا:

"أما المعادن فهی أجزاء الأرض وجميع ما يخرج منها فلا يحرم أكلهٔ إلا من حيث أنه يضر بالآكل۔"(۱)

ترجمہ:- معادن سے مراد زمین کے اجزاء اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے وہ ہے، ان

---

۱) امام ابو حامد الغزالی، إحياء علوم الدين، فصل الحلال والحرام، نورانی کتب خانہ، پشاور، طبع سوم، ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۱ء ج:۲، ص:۹۲۔

کا کھانا اس وقت حرام ہے جب یہ کھانے والے کے لیے نقصان دہ ہوں۔

بہشتی زیور میں ہے:

''اگر مضر چیز کا نقصان کسی طرح جاتا رہے یا قلیل میں نشہ نہ رہے تو ممانعت بھی نہ رہے گی۔''(۱)

اور اسی کتاب کے دوسرے مقام پر ہے:

''جب مضر اور غیر مضر مل جائیں اور ملانے سے نقصان جاتا رہے تو ممانعت بھی جاتی رہے گی۔''

کرامت

کرامت سے مراد یہ ہے کہ وہ شئے باعثِ تکریم و تعظیم ہو۔ کائنات میں حق تعالیٰ شانہ نے انسان کو کرامت اور عزت بخشی ہے، اس لیے انسان کا کوئی جزء براہ راست کھانا یا کسی چیز میں ملانا حرام ہے اور جس شئے میں انسانی اعضاء میں سے کسی کی آمیزش ہو تو قلیل وکثیر کی تفریق کیے بغیر اس کا استعمال حرام ہے، چاہے وہ انسانی جزء خود پاک ہو، جیسے: بال، ناخن اور ہڈی یا خود ناپاک ہو، جیسے: خون اور فضلہ وغیرہ:

''لو وقع جزء من آدمی میت في قدر ولو وزن دانق حرم الکل لا لنجاسته فإن الصحیح أن الآدمي لا ینجس بالموت ولکن لان أکله محرم احتراما۔''(۲)

ترجمہ:- اگر مرے ہوئے انسان کا کوئی جزء ہانڈی میں گر جائے اگرچہ ایک دانق کے برابر ہو تو پوری ہانڈی کا کھانا ہی حرام ہو جائے گا، اس وجہ سے نہیں کہ

---

۱) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حصہ نہم، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ص:۹۸۔

۲) امام ابو حامد الغزالی، إحیاء علوم الدین، فصل الحلال والحرام، نورانی کتب خانہ، پشاور، طبع سوم، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، ج:۲، ص:۹۳۔

انسان کا وہ حصہ ناپاک ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ انسان موت سے ناپاک نہیں ہوتا
بلکہ اس وجہ سے کہ انسان کے احترام کے پیشِ نظر اس کا کھانا حرام ہے۔

سکر

سکر سے مراد نشہ ہے اور نشہ سے مراد یہ ہے کہ عقل مغلوب اور ہذیان غالب ہو جائے اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ اگر نشہ آور شئے جامد ہے تو اس کی اتنی مقدار کا استعمال جائز ہے جس سے نشہ نہ ہو، خواہ یہ مقدار پورے پروڈکٹ میں دو تین فیصد ہو یا اس سے کم یا زیادہ ہو، کیونکہ علت نشہ ہے اور جب نشہ نہیں تو حرمت بھی نہیں۔ اگر نشہ آور جزء سیال ہے اور چار حرام شرابوں میں سے کوئی ایک نہیں تو اس کے قدر غیر مسکر کا استعمال بھی جامد نشہ آور اشیاء کی طرح جائز ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اشربہ اربعہ کے علاوہ دیگر مسکرات کا خارجی استعمال جائز ہے اور داخلی استعمال صرف اس حد تک جائز ہے کہ نشہ کی حد تک نہ ہو اور استعمال سے کوئی معتد بہ غرض ہو۔

اگر نشہ آور شے چار حرام شرابوں میں سے کوئی ایک ہے تو اس کا مطلقاً استعمال ناجائز ہے، خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ اور اس سے نشہ ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ جس طرح صارف کے لیے ایسی مصنوعات کا استعمال حرام ہے جس میں اشربہ اربعہ میں سے کوئی ایک شراب شامل ہو، ایسے ہی صانع کے لیے بھی اس حرام شراب کا ملانا حرام ہے۔

"وأما النبات فلا يحرم منه إلا ما يزيل العقلَ أو يزيل الحياةَ أو الصحةَ فمزيل العقل: البنج و الخمر وسائر المسكرات. ومزيل الحياة: السموم. ومزيل الصحة: الأدوية في غير وقتها. وكأن مجموع هذا يرجع إلى الضرر إلا الخمر و المسكرات، فإن الذى لا يسكر منها أيضًا حرام مع قلتهٖ لعينهٖ ولصفتهٖ وهى الشدة المطربة." (۱)

---

۱) ایضا، ج:۲،ص:۹۲۔

ترجمہ:۔نباتات میں سے صرف اُن کا کھانا حرام ہے جس سے عقل زائل ہوتی ہو یا زندگی جاتی ہو یا صحت خراب ہوتی ہو۔عقل زائل کرنے والے نباتات بھنگ، شراب اور دیگر تمام نشہ آور چیزیں ہیں، اور زندگی ختم کرنے والی چیزیں جیسے زہر اور صحت برباد کرنے والی چیزیں نا مناسب وقت میں دواؤں کا لینا ہے ان تمام میں حرمت کی علت گویا مضرت ہے سوائے شراب اور نشہ آور چیزوں کے، کیونکہ یہ اشیاء نشہ آور نہ بھی ہوں پھر بھی ان کی قلیل مقدار حرام ہے کیونکہ ان کی ذات حرام ہے اور ان میں نشہ پیدا کرنے کی صفت ہے۔

خبث

خبث سے مراد یہ ہے کہ ایک سلیم الفطرت انسان اس کو طبعی طور پر ناپسند کرے اور اس کا مزاج اس سے گھن کھائے اور طبیعت نفرت کرے۔طبیعت کا کسی شئے سے گھن کھانا بعض اوقات مقدار کی کمی بیشی کے بغیر مطلقا ہوتا ہے، مثلاً: ایک صحیح فطرت انسان کو خبر ملے کہ بھرے مٹکے میں ایک قطرہ پیشاب کا مل گیا ہے تو اس کی طبیعت استعمال پر آمادہ نہ ہوگی۔

کبھی مقدار کا کم یا زیادہ ہونا خبث کے ہونے یا نہ ہونے میں اثر رکھتا ہے، مثلاً: پورے دیگ میں ایک مکھی کے گرنے سے طبیعت گھن نہیں کھاتی، اس لیے علاوہ مکھی کے دیگ کا استعمال جائز ہوگا، لہٰذا جن اشیاء کی حرمت خبث کی بنا پر ہو اگر وہ شئے خود یا اس سے بنا ہوا کوئی جزءِ ترکیبی کسی پروڈکٹ میں ملایا گیا ہو، مگر مقدار میں اتنا کم ہو کہ طبیعت کو اس سے گھن نہ آئے تو پروڈکٹ کا استعمال جائز ہوگا۔

مگر اس پر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہاء نے اس سلسلے میں جو مثالیں دی ہیں وہ عام طور پر وہ ہیں جن سے بچنا مشکل ہے، مثلاً: دیگ میں مکھی گر جائے یا شوربے میں چیونٹی پک

جائے یا کسی چیز میں خود ہی کیڑا نکل آئے، بالفاظِ دیگر مچھر یا چیونٹی خود گر کر مر جائے تو محلول یا مطعوم کا کھانا اور بات ہے اور خود کیڑے مار مار کر شامل کرنا دوسری بات ہے۔ آج کل یہی دوسری صورت اختیار کی جاتی ہے، کیونکہ کیڑوں مکوڑوں کی باقاعدہ صنعت قائم ہوگئی ہے، ان کی افزائش کی جاتی ہے اور پھر ان سے رنگ کشید کر کے میک اپ کے سامان، ادویہ اور غذائی مواد میں ڈالا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوچنیل کیڑے سے کارمائن اور لیک نامی کیڑے سے شیلاک نکالا جاتا ہے اور پھر مختلف مصنوعات میں شامل کیا جاتا ہے تو کیا صرف اس بنا پر کیڑوں مکوڑوں کے استعمال کی اجازت ہوگی کہ مجموعے میں جا کر اس کا خبث معلوم نہیں ہوتا اور استقذار ختم ہو جاتا ہے؟

اگر اس پہلو سے غور کیا جائے تو صانع کے لیے مستخبث اشیاء کو مصنوعات میں ملانا جائز معلوم نہیں ہوتا۔ دوسری طرف اگر کوئی خبث رکھنے والی شئے مثلاً: مکھی وغیرہ دیگ میں گر جائے تو فقہاء اس بنا پر اس کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں کہ اتنی مقدار میں استخباث نہیں ہوتا، اس طرح کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شئے استخباث کی حد سے نکل جائے تو اس کا استعمال جائز ہونا چاہیے، مگر حق بات یہ ہے کہ مکھی وغیرہ کے گرنے سے خود مکھی کا نہیں بلکہ سالن کے استعمال کا جائز ہونا مراد ہے، کیونکہ مکھی پاک ضرور ہے، مگر حلال نہیں، اس میں خبث کی علت بھی ہے اور خون بھی ہے اور مکھی کا خون اگرچہ سائل نہیں مگر کھانا اس کا بھی جائز نہیں:

> "وما لم يذبح ذبحًا شرعيًا أو مات فهو حرام ولا يحل إلا ميتتان السمك والجراد وفي معناهما ما يستحيل من الأطعمة كدود التفاح والخل والجبن، فإن الاحترازَ منهما غير ممكن فأما إذا أفردت وأكلت فحكمها حكم الذباب والخنفساء والعقرب وكل ما ليس لهٗ نفس سائلة لا سبب في تحريمها إلا الاستقذار

ولو لم يكن لكان لا يكره فإن وجد شخص لا يستقذرة لم يلتفت إلى خصوص طبعه فإنه التحق بالخبائث لعموم الاستقذار فيكره أكلة كما لو جمع المخاط وشربه كره، ذٰلك وليست الكراهة لنجاستها فإن الصحيح أنها لاتتنجس بالموت إذ أمر رسول الله صلى الله عليه و سلم بأن يمقل الذباب فى الطعام إذا وقع فيه، حديث الأمر بأن يمقل الذباب في الطعام إذا وقع فيه، رواه البخاری من حديث أبي هريرة رضي الله عنه۔" (۱)

ترجمہ:-جو جانور شرعی طریقے سے ذبح نہ کیا جائے یا بغیر ذبح کے مرجائے تو وہ حرام ہے اور سوائے مچھلی اور ٹڈی کے کوئی مردار حلال نہیں، ان دونوں کے حکم میں وہ کھانے کی چیزیں بھی ہیں جن سے بچنا ممکن نہیں ہے جیسے سیب، سرکہ اور پنیر کا کیڑا کیونکہ ان سے بچنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اگر کیڑے کو الگ سے کھایا جائے تو اس کا حکم مکھی، تتیلی اور بچھو کا ہے۔ جن چیزوں میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ان کے حرام ہونے کی علت صرف اور صرف ان سے گھن کا آنا ہے، اگر یہ علت نہ ہوتی تو وہ مکروہ بھی نہ ہوتے، اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اسے مثلاً کیڑے سے گھن محسوس نہ ہوتی ہو تو اس کی انفرادی طبیعت کا لحاظ نہیں کیا جائے گا (اور کیڑا اس کے لیے حرام ہی رہے گا) کیونکہ استقذار کی وجہ سے اس کا حکم خبائث کا ہے تو اس کا کھانا مکروہ ہی ہوگا جیسا کہ کوئی شخص بلغم جمع کر کے پی لے تو اس کے لیے مکروہ ہی ہوگا، کراہت کی وجہ اس کی نجاست نہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ وہ مرنے سے نجس نہیں

---

۱) ایضاً، ج:۲، ص:۹۲-۹۳۔

ہوتی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جب مکھی کھانے میں گر جائے تو اسے ڈبو دیا جائے۔ مکھی گرنے کے بعد اسے ڈبونے کی حدیث امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ذکر کی ہے۔

بہشتی زیور میں ہے:

''اسی طرح سرکہ کو مع کیڑوں کے کھانا یا کسی معجون وغیرہ کو جس میں کیڑے پڑ گئے ہوں مع کیڑوں کے یا مٹھائی کو مع چیونٹیوں کے کھانا درست نہیں اور کیڑے نکال کر درست ہے۔''(۱)

فتاویٰ مظاہر العلوم میں ہے:

''مکھی غیر ذی دم مسفوح ہے، لہٰذا جب سالن میں گر جاتی ہے تو اس کے مرنے سے سالن ناپاک نہیں ہوتا، لہٰذا اس سالن کا کھانا شرعاً جائز قرار پایا، اور چونکہ مکھی منجملہ خبائث کے ہے اور تمام خبائث کا کھانا حرام ہے، لہٰذا مکھی کا کھانا اور کھلانا حرام ہوگا۔'' (۲)

نجاست:

پروڈکٹ میں کوئی نجس چیز ملانا نہ تو صانع کے لیے جائز ہے اور نہ ہی صارف کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ نجس چیز کے ملنے سے مجموعہ نجس ہوتا ہے، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حرام مقدار کم اور نہ ہونے کے برابر ہے۔ نجس جزء پر مشتمل پروڈکٹ کا داخلی استعمال منع

---

۱) بہشتی زیور

۲) كتاب الحظر والاباحة، باب الأكل والشرب، ط: مكتبة الشيخ، ج:۱، ص:۲۹۸

ہے، البتہ اس حکم سے استثناء صرف اس صورت میں مل سکتا ہے جب نجس چیز نہ چاہتے ہوئے بھی کسی شئے میں شامل ہو جائے اور اس سے بچنا بھی مشکل ہو اور خود نجس چیز مقدار میں بہت معمولی ہو، مثلاً: چوہے کی مینگنی گندم میں پس جائے یا دودھ دوہتے وقت ایک دو مینگنیاں دودھ میں گر جائیں اور ٹوٹنے سے پہلے نکال دی جائیں اور دودھ میں اس کا کوئی اثر بھی ظاہر نہ ہو۔(۱)

حاصل بحث

حاصل یہ نکلتا ہے کہ:

۱) اگر کوئی شئے مضرت کی وجہ سے حرام ہو مگر مجموعے میں جا کر مضرت نہ رہے تو اس کا اندرونی و بیرونی استعمال جائز ہے۔

---

۱) "مبحث في بول الفأرة وبعرها وبول الهرة (قوله: وكذا بول الفأرة إلخ) اعلم أنه ذكر في الخانية أن بول الهرة والفأرة وخرأها نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب ولو طحن بعر الفأرة مع الحنطة ولم يظهر أثره يعفى عنه للضرورة. وفي الخلاصة: إذا بالت الهرة في الإناء أو على الثوب تنجس، وكذا بول الفأرة، وقال الفقيه أبو جعفر: ينجس الإناء دون الثوب الخ۔ قال في الفتح: وهو حسن لعادة تخمير الأواني، وبول الفأرة في رواية لا بأس به، والمشايخ على أنه نجس لخفة الضرورة بخلاف خرئها، فإن فيه ضرورة في الحنطة الخ۔ والحاصل أن ظاهر الرواية نجاسة الكل. لكن الضرورة متحققة في بول الهرة في غير المائعات كالثياب، وكذا في خرء الفأرة في نحو الحنطة دون الثياب والمائعات۔ وأما بول الفأرة فالضرورة فيه غير متحققة إلا على تلك الرواية المارة التى ذكر الشارح أن عليها الفتوى، لكن عبارة التتارخانية: بول الفأرة وخرؤها نجس، وقيل بولها معفو عنه وعليه الفتوى. وفي الحجة الصحيح أنه نجس الخ۔ ولفظ الفتوى وإن كان آكد من لفظ الصحيح إلا أن القول الثاني هنا تأيد بكونه ظاهر الرواية، فافهم۔ لكن تقدم في فصل البئر أن الأصح أنه لا ينجسه وقد يقال: إن الضرورة في البئر متحققة، بخلاف الأواني؛ لأنها تخمر كما مر فتدبر۔"(رد المحتار على الدر المختار، محمد امين الشهير بابن عابدين، (۲/۲۷۴)، ایچ ایم سعید، کراچی، طبع أول.

۲) اگر پروڈکٹ میں نجس شامل ہے تو اس کا خوردنی استعمال جائز نہیں اور اگر نجاست مغلوب ہے تو اس کا خارجی استعمال جائز ہے مگر نماز کے وقت طہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔

۳) اگر کسی پروڈکٹ میں انسانی جزء یا اس سے ماخوذ کوئی جزء شامل ہے تو اس کا استعمال جائز نہیں۔

۴) اگر پروڈکٹ میں چار حرام شرابوں کے علاوہ کوئی نشہ آور شے شامل ہو مگر پروڈکٹ مضر یا مسکر نہ ہو تو اس کا داخلی وخارجی استعمال جائز ہے۔ اگر چار حرام شرابوں میں سے کوئی ایک شامل ہو تو اس کا حکم نجس کا ہے اور اگر مسکر بھی ہو تو سکر کی علت سے بھی حرام ہے۔

۵) اگر کوئی شے خبث کی وجہ سے حرام ہو مگر مجموعے میں جا کر خبث معلوم نہ ہوتا ہو تو اس کا حکم تفصیلی اور تحقیق طلب ہے۔

۶) اگر نجس یا خبیث یا مسکر یا مضر کسی پروڈکٹ میں شامل ہو مگر شرعی انقلاب ماہیت ہو گیا ہو تو صارف کے لیے وہ پروڈکٹ حلال ہے اگر چہ صانع کے لیے ایسا کرنا حرام ہے۔

بینات: شعبان 1436ھ/ جون 2015ء

غیر مسلموں کے حلال تصدیقی اداروں کی شرعی حیثیت

تمہید

کوئی ایسا ادارہ جو مصنوعات کے حلال ہونے کی تصدیق کرتا ہو اور اس بنا پر حلال کا سرٹیفکیٹ دیتا ہو، مگر وہ ادارہ کسی غیر مسلم ملک یا فرد کا ہو تو کیا شریعت میں ایسے حلال تصدیقی ادارے کی تصدیق کا اعتبار ہوگا اور اس بنا پر کسی پروڈکٹ کو حلال تصور کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے اس کا استعمال جائز ہوگا؟ ان سطور میں شریعت کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(الف) سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ حلال وحرام کا تعلق شریعت کے کس دائرے سے ہے؟

(ب) اس کے بعد یہ کہ کسی شئے کے متعلق یہ کہنا کہ وہ حلال ہے یا حرام ہے، اس کا درجہ خبر کا ہے یا شہادت کا؟ کیونکہ شرعی لحاظ سے دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

تفصیل

1) حلال وحرام کا تعلق دیانات سے ہے، یعنی ان حقوق سے ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ جو حقوق بندے اور اس کے رب کے درمیان ہوتے ہیں انہیں حقوق اللہ کہتے ہیں، مگر انہیں اس نام سے اس وجہ سے موسوم نہیں کرتے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ ہے، کیونکہ وہ حاجتوں سے مبرا ہے اور نہ ہی انہیں حقوق اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حقوق خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں، کیونکہ تمام ہی حقوق اسی نے پیدا کیے ہیں، بلکہ انہیں حقوق اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کسی خاص شخص کے بجائے معاشرے کی بہبود اور جماعت کا فائدہ متصور ہوتا ہے اور ان کی خلاف ورزی میں ضرر عظیم ہوتا ہے، پس حق اللہ کو مفاد عامہ اور عامہ خلائق کے مترادف سمجھنا چاہیے۔

2) ان حقوق کو حقوق اللہ سے موسوم کرنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ان کو اسی طریقے سے بجالانا چاہیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس میں عقل و منطق کے گھوڑے نہیں دوڑانے چاہئیں، کیونکہ جب حق اس کا ہے تو اسی کی منشا کے مطابق اُسے ادا کرنا چاہیے۔

3) حقوق اللہ کے مقابل حقوق العباد ہوتے ہیں جو شخصی حقوق ہوتے ہیں اور ان میں حق اللہ کی طرح مفاد عامہ اور معاشرے کی بہبود مدنظر نہیں ہوتی بلکہ فرد کا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ دونوں حقوق میں امتیاز اس طرح کیا جاتا ہے کہ شخصی حقوق کو حاصل کرنا یا چھوڑنا اشخاص کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے، مثلاً: ایک شخص مجاز ہے کہ اپنے مکان کا کرایہ وصول کرے یا چھوڑ دے، لیکن حق اللہ کی تعمیل کرانا خود سلطنت کا فرض ہوتا ہے، کیونکہ ریاست جماعت کی نمائندہ ہوتی ہے۔

حلال وحرام کی تصدیق خبر ہے یا شہادت؟

4) یہ معلوم ہونے کے بعد حلال وحرام دیانات کے دائرے میں آتے ہیں، اگلا سوال یہ ہے کہ کسی پروڈکٹ کو اس وجہ سے حلال سرٹیفکیٹ دینا کہ وہ شرعی اصولوں کے مطابق تیار کی گئی ہے اور حلال ہے، یا شرعی اصولوں کی عدم بجا آوری کی وجہ سے وہ حرام ہے، کیا حکم رکھتا ہے؟

جو سرٹیفکیشن باڈی حلال وحرام کی تصدیق کرتی ہے ایک رائے کے مطابق وہ اس بات کی شہادت دے رہی ہوتی ہے کہ یہ شئے حلال ہے یا حرام۔ شہادت کی وجہ سے اسلامی ضابطۂ شہادت متوجہ ہوجاتا ہے کہ آیا شہادت کی شرائط موجود ہیں یا نہیں؟ شرعی ضابطۂ شہادت کے مطابق ایک غیر مسلم شہادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ فقہاء اسلام یہ لکھتے ہیں کہ شہادت برتری اور بالادستی چاہتی ہے، جب کہ غیر مسلم کو مسلمان پر کوئی برتری اور بالادستی حاصل نہیں۔ فقہ حنفی کی مستند کتاب ''بدائع الصنائع'' میں علامہ ابوبکر کاسانیؒ لکھتے ہیں:

”.....لأنها من باب الولاية وفي جعلها حجة على المسلم إثبات الولاية للكافر على المسلم، وهذا لا يجوز۔۔۔لأن الكافر ليس من أهل الولاية على المسلم لأن الشرع قطع ولاية الكافر على المسلمين قال الله تعالى: (ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا) وقال صلى الله عليه وسلم: الإسلام يعلو ولا يعلى..... لاتقبل شهادة للكافر على المسلم۔۔۔ولا ولاية للكافر فلاشهادة له عليه.....“(۱)

---

۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، امام علاءالدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی (المتوفی: ۵۸۷ھ) داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء ج:۲، ص: ۵۰۰، ۵۲۲، ۵۲۶۔

ترجمہ:- شہادت ولایت سے تعلق رکھتی ہے اور اس (کافر) کی شہادت کو مسلمان کے خلاف حجت بنانے میں اسے مسلمان پر ولایت دینا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں..... اس لیے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت کی اہلیت حاصل نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ شریعت نے کافر کی ولایت مسلمان پر ختم کر دی ہے، اللہ تبارک تعالی کا فرمان ہے: اور ہر گز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ۔" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اسلام بلند رہتا ہے اور کوئی اس سے بلند نہیں ہوسکتا..... کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف غیر مقبول ہے کیونکہ اسے مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہے تو اسے مسلمان کے خلاف شہادت دینے کا حق بھی نہیں۔

المبسوط للسرخسی میں ہے:

"ليس الكافر من أهل الشهادة في حق المسلم"(١)

ترجمہ:-مسلمان کے حق میں کافر شہادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

الاختیار لتعلیل المختار میں علامہ عبداللہ بن محمود الموصلی الحنفی لکھتے ہیں:

"ولا نفاذ لقول الكافر على المسلم كما في الشهادة"(٢)

ترجمہ:-شہادت کی طرح کافر کا قول بھی مسلمان کے خلاف ناقابل نفاذ ہے۔

امام علاء الدین الکاسانیؒ نے سورہ نساء کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ اس بارے میں

---

١) المبسوط للسرخسي، شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، تحقيق: خليل محي الدين الميس، دار الفكر، بيروت، لبنان، طبع اول 1421هـ 2000ء، ج ١٠ ص ٢٨٢۔

٢) الاختيار لتعليل المختار، عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي، 3 ط: دار الكتب العلمية- بيروت/لبنان- 1426هـ- 2005ء ج ٣ ص ١٠٩۔

بالکل واضح اور دوٹوک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کے کسی معاملہ میں حجت اور دلیل بنانے کو اور انہیں اپنے اوپر غلبہ دینے سے منع فرمایا ہے، جب کہ ان کی شہادت قبول کرنا انہیں مسلمانوں پر فوقیت اور برتری دینا ہے، حالانکہ اسلام چاہتا ہے کہ یہ لوگ ایک بالا دست قوت کے طور پر نہیں، بلکہ مسلمانوں کے زیر دست ہو کر رہیں۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بحر بن فرح الانصاری الخزرجی شمس الدین القرطبی (المتوفی:671ء) مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"..... إن الله سبحانہ لا يجعل للكافرين على المؤمنين سبيلا شرعا، فإن وجد فبخلاف الشرع۔(۱)

ترجمہ:۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ شرعاً کافروں کو مسلمانوں کے خلاف غلبہ کی راہ نہیں دے گا، اگر ایسی کوئی صورت پائی گئی تو وہ خلاف شریعت ہوگی۔

حلال وحرام کی تصدیق شہادت ہے۔ اگر چہ شہادت میں دعوی شرط ہوتا ہے مگر جب معاملہ حقوق اللہ کا ہو تو دعوی شرط نہیں ہوتا:

وأما حقوق الله تعالى فلا يشترط فيها الدعوى(۲)

ترجمہ:۔ رہ گئے حقوق اللہ تو ان میں دعوی شرط نہیں ہوتا۔

5) حلال تصدیقی اداروں کا عمل شہادت ہے یا نہیں، یہ موضوع اہل علم کے مابین زیر تحقیق ہے۔ شہادت قرار دینے کی صورت میں کیا قباحت لازم آئے گی، اس پر

---

۱) الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير القرطبى، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى: ۶۷۱هـ)، سورة النساء، ط: دار عالم الكتاب، رياض، 1423هـ/2003ء۔ ج:۵، ص: ۴۲۰۔

۲) بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، امام علاء الدين ابوبكر بن مسعود بن احمد الكاسانی (المتوفى: ۵۸۷هـ) دار احياء التراث العربي، بيروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء ج۵ ص ۵۱۷

گفتگو ہو چکی۔ اگر اسے خبر قرار دیا جائے تو معاملات میں تو غیر مسلم کی خبر قبول کرنے کی گنجائش ہے، مگر حلال وحرام کے معاملہ میں مسلمان کے لیے کافر کی خبر پر اعتماد اور بھروسہ کی اجازت نہیں، کیونکہ حلال وحرام خالص دینی احکام ہیں اور دینی احکام میں غیر مسلم کی خبر قابل قبول نہیں۔ چنانچہ اگر ایک غیر مسلم اطلاع دے کہ پانی پاک ہے یا گوشت حلال ہے تو اس کی اطلاع پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اگر مسلمان بھی اس قسم کی اطلاع دے اور وہ فاسق ہو تو اس کی خبر بھی واجب القبول نہیں۔

" .....الحل والحرمة من الديانات ولا يقبل قول الكافر في الديانات وإنما يقبل قوله في المعاملات خاصة للضرورة۔۔۔ والفاسق في المعاملات لا في الديانات"(۱)

ترجمہ: -حلت اور حرمت کا تعلق دیانات سے ہے اور دیانات میں کافر کا قول قابل قبول نہیں بلکہ ضرورت کی وجہ سے صرف لین دین میں اس کا قول قبول کیا جاتا ہے۔ فاسق کا قول بھی معاملات میں قبول کیا جاتا ہے مگر دیانات میں نہیں۔

"أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات (وشرط العدالة في الديانات) هي التي بين العبد والرب (كالخبر عن نجاسة الماء فيتيمم) ولا يتوضأ (إن أخبر بها مسلم عدل)... (ويتحرى في) خبر (الفاسق) ...... و في الرد قوله (إن أخبر بها مسلم عدل) لأن الفاسق متهم والكافر لا يلتزم الحكم فليس له أن يلزم المسلم۔"(۲)

---

۱) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، زین الدین بن ابراهیم بن نجیم الحنفی المصری، دار المعرفة، بیروت، لبنان، ۲۱۲/۸۔

۲) الدر المختار مع رد المحتار، محمد بن علی محمد الملقب بعلاء الدین المعروف بالحصکفی کتاب الحظر والاباحة، ج:٦، ص:۳۴۴، ط:ایچ

ترجمہ:-اس پر اجماع ہے کہ کافر کی خبر معاملات میں مقبول ہے مگر دیانات میں نہیں، دیانات وہ امور ہیں جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہوتے ہیں، ان کے اندر عدالت شرط ہوتی ہے چنانچہ پانی کے متعلق اگر ایک عادل مسلمان نے کسی کو خبر دی کہ نجس ہے اور وہ وضو کے بجائے تیمم کر لے تو..... لیکن اگر فاسق نے اطلاع دی تو غور وفکر کرے۔علامہ شامی لکھتے ہیں کہ مسلمان کے ساتھ عادل ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ فاسق متہم ہوتا ہے اور کافر خود شرعی حکم کو نہیں مانتا تو اسے مسلمان پر بھی حکم نافذ کرنے کا حق نہیں ہے۔

"أما الديانات فلا يكثر وقوعها حسب وقوع المعاملات فجاز أن يشترط فيها زيادة شرط، فلا يقبل فيها إلا قول المسلم العدل؛ لأن الفاسق متهم والكافر لا يلتزم الحكم فليس له أن يلزم المسلم، بخلاف المعاملات ، لأن الكافر لا يمكنه المقام فى ديارنا إلا بالمعاملة ولا يتهيأ له المعاملة إلا بعد قبول قوله فيها فكان فيه ضرورة۔"(۱)

ترجمہ:-دیانات اس کثرت سے وقوع پذیر نہیں ہوتے جس طرح معاملات ہوتے ہیں تو اگر ان میں کوئی اضافی شرط لگادی جائے تو بے جا نہیں ہے اس لیے دیانات میں تو صرف اس مسلمان کی خبر قبول کی جائے گی جو عادل بھی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فاسق خود نا قابل اعتماد ہوتا ہے اور رہا کافر تو وہ خود اپنی ذات پر شرعی حکم کا نفاذ نہیں کرتا تو اسے مسلمان پر کوئی حکم لاگو کرنے کا حق کیسے ہوسکتا ہے، اس کے برعکس ایک کافر اگر ہمارے ملک میں قیام کرتا ہے تو معاملات کیے

---

۱) الهداية مع فتح القدير امام كمال الدين المعروف بابن الهمام، كتاب الكراهية، فصل فى الاكل والشرب، ج:۱۰، ص:۱۰، دار الكتب العلمية، بيروت، طباعت اول، ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ء۔

بغیر اس کے لیے چارہ نہیں اور معاملات وہ جب ہی کر سکتا ہے جب معاملات کے متعلق اس کی خبر قبول بھی کی جائے تو معاملات میں (اس کی خبر قبول کرنے کی) ضرورت ہے۔

6) حلال وحرام خالص دینی و مذہبی اصطلاحات ہیں اور ایک معنی میں پورے دین اسلام کا حاصل ہی حلال وحرام ہے، کیونکہ اسلام میں کچھ چیزوں کی اجازت ہے جنہیں حلال کہتے ہیں اور کچھ کی ممانعت ہے جنہیں حرام کہتے ہیں۔ اس طرح پورا اسلام سمٹ کر حلال وحرام میں جمع ہو جاتا ہے تو اس طرح کے اہم معاملہ میں غیر مسلم کی خبر کس طرح قبول کی جا سکتی ہے؟ جب کہ معاملہ صرف اس حد تک محدود نہیں کہ ان کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں بلکہ ان کو دخل اور راستہ دینے کا ہے۔ جب شریعت صرف ان کی خبر کو قبول نہیں کرتی تو ان کی مداخلت کو کس طرح گوارہ کر سکتی ہے؟

7) ہمیں یہ بھی معلوم ہے اور جسے نہیں معلوم اسے معلوم ہونا چاہیے کہ غیر مسلم اپنی قوت اور طاقت کے بل بوتے پر اور اپنے ذرائع اور وسائل کو کام میں لا کر صرف مداخلت تک محدود نہیں رہیں گے، بلکہ یہ اسکیم ہی مسلمانوں سے چھین لیں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ جن کو متبوع ہونا چاہیے وہ تابع بن جائیں گے۔

8) حلال وحرام کا معاملہ اہم ہونے کے علاوہ انتہائی حساس بھی ہے، جس کی حساسیت، نزاکت اور باریکی کو ایک مسلمان ہی بہتر سمجھ سکتا ہے، غیر مسلم اس کا اہل نہیں۔ یہ رائے کسی مذہبی تعصب پر نہیں، بلکہ اس مسلمہ اصول پر مبنی ہے کہ کام ایسے شخص کے سپرد ہونا چاہیے جو اس کی اہلیت اور صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

مزید یہ کہ حلال وحرام کی اتھارٹی کسی انسان کے پاس بھی نہیں ہے، یہ خالص خدائی

منصب ہے۔ جو حق تعالیٰ نے اپنے لیے محفوظ رکھا ہے، مخلوق میں اگر کوئی حلال کو حرام یا حلال کو حرام کہتا ہے تو وہ اس خدائی اختیار کو استعمال کرتا ہے۔ اب ایک غیر مسلم کو اس قدر حساس اور اہم مذہبی معاملات کس طرح سپرد کیے جا سکتے ہیں؟!

9) جیسا کہ پیرا نمبر: ٦ میں مذکور ہوا کہ حلال ایک خالص مذہبی معاملہ ہے۔ مذہبی معاملات اسی وقت احسن طریقے سے تکمیل پا سکتے ہیں جب انہیں مذہبی روح کے ساتھ سرانجام دیا جائے، جب کہ غیر مسلم اس مذہبی روح اور اسپرٹ سے محروم ہیں اور انہیں مذہب کے بانی سے کوئی عقیدت نہیں تو اہل مذہب کے جذبات کی وہ کیوں رعایت رکھیں گے؟! درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے اور غور کیجیے کہ فقہاء کو کس طرح قطرے میں سمندر، ذرے میں پہاڑ اور بیج میں تناور درخت نظر آتا ہے اور ان کی دوربین نگاہ کہاں تک جاتی ہے۔ شمس الائمۃ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

"وإن كان الذى أخبرهٔ بنجاسة الماء رجل من أهل الذمة لم يقبل قولهٔ لا لأن الكفر ينافي معنى الصدق في خبره ولكن لأنهٔ ظهر منهم السعى فى إفساد دين الحق، قال الله تعالى لا يألونكم خبالا أى لا يقصرون في إفساد أمركم فكان متهما فى هذا الخبر فلا يقبل منه كما لا تقبل شهادة الولد لوالده لمعنى التهمة۔"(١)

ترجمہ: -اگر پانی کی نجاست کے متعلق خبر دینے والا کوئی ذمی ہو تو اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی اس وجہ سے نہیں کہ کفر کی وجہ سے اس کی بات میں سچائی کا امکان نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ دین حق میں بگاڑ پیدا کرنے کی ان کی کوششیں

---

١) المبسوط للسرخسي، شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، كتاب الاستحسان، تحقيق: خليل محي الدين الميس، دار الفكر، بيروت، لبنان طبع اول 1421هـ 2000ء، ج ١٠، ص ٢٨٢۔

برملا ظاہر ہوچکی ہیں، باری تعالی کا فرمان ہے کہ تمہارا دین کو بگاڑنے میں وہ کوئی
کوتاہی نہیں برتیں گے، اس لیے اس خبر کے دینے میں وہ نا قابل اعتماد ٹھہرتا ہے
تو اس کی خبر قبول بھی نہیں کی جائے گی جیسا کہ تہمت کی وجہ سے بیٹے کی شہادت
باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاتی۔

فقیہ النفس علامہ قاضی خان نے لکھا ہے:

وفي الخانية أي لأن الكافر يعتقد أن المسلم على دين باطل فيقصد الإضرار به للعداوة۔(۱)

ترجمہ:-کافر یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مسلمان ناحق دین پر ہیں اس لیے دشمنی کی
وجہ سے مسلمان کو نقصان دینے کی کوشش کرتا ہے۔

10) حلال مسلمانوں کا ''لوگو'' ہے اور مسلمان ہی اس کے داعی اور علم بردار ہیں اور اس وقت حلال کی طلب حقیقی معنی میں مسلمانوں کی طرف سے ہے۔ اب اگر حلال تصدیقی اداروں کا قیام مسلمانوں کی طرف سے ہوگا تو مسلمان دنیا اس پر اعتماد کرے گی اور یوں حلال کی یہ اسکیم کامیابی سے ہمکنار ہوجائے گی، لیکن غیر مسلموں کی شمولیت سے قوی امکان ہے یہ اسکیم ناکامی سے دوچار ہوجائے، کیونکہ مسلمان مذہبی معاملات میں غیر مسلموں پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ عین ممکن ہے کہ اس میدان میں ان کی دلچسپی اسی غرض سے ہو کہ اس اسلامی اسکیم اور پروگرام کو ناکام بنادیا جائے۔ اگر مسلمان اس طرح کا اندیشہ رکھتے ہیں تو اس کی معقول وجوہ موجود ہیں۔ قرآن کریم ہمیں ان پر بھروسے اور اعتماد سے روکتا ہے، تاریخ ان کی چالبازیوں اور ریشہ دوانیوں سے بھری پڑی ہے اور ماضی کے تجربے اور حال کے

---

۱) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، زین الدین بن ابراهیم بن نجیم الحنفی المصری، دار المعرفة، بیروت، لبنان، ۲۱۳/۸

مشاہدے سے قرآنی احکام اور تاریخ دونوں کی تصدیق ہوتی ہے۔

11) معاشی میدان میں مسلمانوں کی ترقی اور غیر مسلموں کی کمزوری اسلام کو کس قدر مطلوب ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں کافر کو اپنے محارم سے نکاح کی، خنزیر کھانے اور شراب پینے کی اجازت ہے، مگر سودی معاملات کی اسے اجازت نہیں۔ نجران کے عیسائیوں کو ایک معاہدے کے ذریعے شہری حقوق دیے گئے تھے، مگر سودی لین دین کی ان کو بھی اجازت نہ تھی، اس سے سود کے خلاف اسلام کی نفرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسری طرف فقہ حنفی کے بانی حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خاص شرائط کے تابع مسلمان کو دارالحرب میں حربی سے سود لینے کی اجازت ہے، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امکانی حد تک مسلمانوں کو معاشی میدان میں غلبہ دینا مقصود ہے۔ اس وقت اقتصادی ترقی ایک بہترین اور مؤثر ہتھیار ہے اور غیر مسلم چاہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ اس میدان میں مغلوب ومحکوم رہیں، ان کے مقاصد اسی وقت ناکام بنائے جاسکتے ہیں جب اس میدان میں ان کے داخلے پر پابندی ہو، جیسا کہ شریعت نے ان پر یہ پابندی لگائی ہے۔

12) ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں اور ان کی جان ومال کا بھی اسی طرح تحفظ کیا جاتا ہے جس طرح مسلمانوں کا کیا جاتا ہے۔ ہمارے آئین نے بھی بہت کشادہ دلی اور وسیع الظرفی کے ساتھ غیر مسلم اقلیتوں کو حقوق دیے ہیں، مگر اس کے ساتھ اسلام کا یہ بھی حکم ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری ایسے نام اور اصطلاحات استعمال نہ کریں جس سے مسلمانوں کے ساتھ ان کا اشتباہ والتباس لازم آئے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ایسے نام نہیں رکھ سکتے جو خالص اسلامی ہوں اور مسلمانوں

کے ساتھ خاص ہوں۔ اب اگر غیر مسلم اپنے مذہبی معتقدات کے مطابق اپنے ملک میں کوئی لفظ یا اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو انہیں اس کا حق پہنچتا ہے، کیونکہ نہ تو شریعت اسلام کا یہ حصہ ان پر لاگو ہے اور نہ ہی وہاں شریعت کی عمل داری ہے، لیکن اگر وہ ایک اسلامی ملک میں مسلمانوں کی اصطلاح کو مسلمانوں کے تصورات کے ساتھ استعمال کریں گے تو اس سے اشتباہ والتباس لازم آئے گا جس کو دور کرنے کے لیے ریاست کو حرکت میں آنا ہوگا۔

13) قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور اولوالامر کی اطاعت کرو:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (۱)

اولوالامر کے ساتھ (**منکم**) کا لفظ قابل غور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان اولوالامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں یعنی مسلمان ہوں، معلوم ہوا کہ غیر مسلم کی اطاعت کو قرآن کریم مسلمانوں پر لازم نہیں قرار دیتا۔ اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو بحیثیت کارکن تو کسی کام میں شریک کیا جاسکتا ہے، لیکن کلیدی آسامی اس کے سپرد نہیں کی جاسکتی۔ تاریخ کے بعض ادوار میں غیر مسلم کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں، مگر وہ تاریخ ہے شریعت نہیں، مسلم سلاطین کا ذاتی عمل ہے، حکم ربانی نہیں، بادشاہوں کی دریادلی اور صلح جوئی ہے، اسلام کی عطا کردہ گنجائش ورعایت نہیں۔

14) مسلم سیاسی مفکرین صاف لکھتے ہیں کہ غیر مسلموں کو قوت اور طاقت نہیں دینی چاہیے، کیونکہ یہ خود مسلمانوں کے حق میں ضرر رساں اور نقصان کا باعث ہے۔

---

۱) النساء:۵۹

بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں حلال کھانے کا حکم غیر مسلموں کو بھی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ''یَا أَیُّھَا النَّاسُ'' کہہ کر پوری نوع انسانیت کو حلال کھانے کی دعوت دی گئی ہے، جس میں غیر مسلم بھی شامل ہیں لہٰذا جب غیر مسلم بھی اس حکم کے مخاطب ہیں تو اس حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اگر وہ حلال سے متعلق تصدیقی ادارے قائم کرتے ہیں تو انہیں اس کی اجازت ہونی چاہیے۔ مگر یہ شبہ اپنے اندر وزن نہیں رکھتا، کیونکہ خود حلال کھانے اور مسلمانوں کے لیے حلال کی اتھارٹی بن جانے میں بڑا فرق ہے۔ پہلے گزر چکا کہ حلال وحرام کا تعلق دیانات سے ہے اور ان احکام میں غیر مسلم کی اتھارٹی شریعت کو قبول نہیں۔

پھر اگر یہ شبہ درست تسلیم کرلیا جائے تو اس کا دائرہ بہت دور تک پھیل جاتا ہے، مثلاً: حلال کی طرح عدل وانصاف بھی اسلام کی ایک آفاقی اور عالمگیر دعوت ہے، مگر مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ اپنے مذہبی معاملات کے سلسلے میں ایسے مسلمان حکام کے پاس دادرسی اور طلب انصاف کے لیے حاضر ہوں جو قرآن وسنت کے مطابق ان کے تنازعات کا تصفیہ کریں، مگر جو شبہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ایک غیر مسلم جج بھی مسلمانوں کا مقدمہ فیصل کرسکتا ہے۔

علاوہ ازیں غیر مسلم اسلام کے اعتقادی مسائل کے تو مخاطب ہیں، مگر راجح قول کے مطابق فروعات کے مخاطب نہیں اور حلال وحرام کا تعلق ثانی الذکر سے ہے۔ اگر حلال وحرام میں ان کی اتھارٹی کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر دیگر فروعی احکام مثلاً نماز وروزہ میں ان کی اس حیثیت کو تسلیم کیا جانا چاہیے، حالانکہ کوئی بھی مسلمان ان کو یہ حیثیت دینے کو تیار نہ ہوگا۔

بحث کے نتائج

1) پیرانمبر: ۱ اور نمبر: ۲ سے واضح ہوا کہ حلال وحرام کا تعلق حقوق اللہ سے بھی بنتا ہے اور حقوق اللہ کی خلاف ورزی پر ریاست کو باز پرس کرنی چاہیے۔ اس لیے ریاستی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے حکومت غیر مسلموں کو حلال تصدیقی ادارے قائم کرنے اجازت نہ دے۔

2) حقوق اللہ کو اس طرح ادا کرنا چاہیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں مقرر کیا ہے، کیونکہ حق اللہ سے مقصود اللہ تعالیٰ کی منشاء کو پورا کرنا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف اپنی منشاء پر عمل حق اللہ کو مجروح کرنا ہے جس سے احتیاط چاہیے۔ دیکھیں پیرانمبر: ۳

3) پیرانمبر: ۴ سے واضح ہوا کہ غیر مسلم حلال وحرام کے متعلق شہادت کا اہل نہیں۔

4) غیر مسلم کو حلال وحرام کی اتھارٹی دینا انہیں ایک بالا دست قوت تسلیم کرنا ہے۔ دیکھیں پیرانمبر: ۴

5) حلال وحرام دیانات میں سے ہونے کا کوئی انکار نہیں کرسکتا اور پیرانمبر: ۵ میں حوالوں سے واضح ہوا کہ دیانات میں غیر مسلم کی خبر معتبر نہیں۔

6) غیر مسلم کوحلال وحرام کی اتھارٹی دینا اپنی معاشی قوت ان کے سپرد کرنا ہے۔ ان پر حلال وحرام کے متعلق بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی شمولیت سے قوی امکان اس مشن کی ناکامی کا ہے۔ وہ دین اسلام سے محروم ہونے کی وجہ سے ایک عبادت سمجھ کر اور مذہبی اسپرٹ کے ساتھ اس کام کو انجام نہیں دے سکتے۔ پیرا نمبر ۱۰، ۱۱

7) مسلمان ہونے کے ناطے حلال کا تعارف اور اس سے آگہی پھیلانا ہماری ذمہ داری ہے، جب کہ غیر مسلموں کی شرکت سے یہ دعوت اور اسکیم ناکام ہوجائے گی، کیونکہ مسلمان اپنے دین کے معاملہ میں ان پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ ان کا مقصد ہی اس اسکیم کو ناکام بنانا ہو۔

پیرا نمبر: ۱۳ سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کو حتمی اتھارٹی نہیں دینی چاہیے اور آخری پیرا کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو اہم اور کلیدی مناصب اپنے پاس رکھنے چاہئیں۔

اختتامیہ

پاکستان میں خالص خوراک کا قانون ''PURE FOOD'' مجریہ ۱۹۶۰ء نافذ ہے جس میں اشیاء خوردونوش کو تیاری سے لے کر فروخت تک ملاوٹ اور مضر صحت اجزاء سے بچانے کا طریقہ کار وضع کیا گیا ہے، مگر یہ قانون حلال وحرام کے معیارات کے حوالے سے ناکافی ہے، کیونکہ اس کی وضع کا ہدف ومقصد ہی یہ نہ تھا۔ اس وقت حلال وحرام کے متعلق دو سرکاری ادارے کام کر رہے ہیں، ایک پاکستان اسٹینڈرڈز اینڈ کوالٹی کنٹرول اتھارٹی (PSQCA) اور دوسرا پاکستان نیشنل اینڈ ایکریڈیٹیشن یعنی پنیک (PNAC) دونوں ادارے وزارت سائنس وٹیکنالوجی کے ماتحت ہیں۔ اول الذکر حلال وحرام کے متعلق قانون سازی کرتا ہے اور

مؤخرالذکر اس کی تنفیذ وتعمیل کرتا ہے۔ پاکستان میں کسی کمپنی کو حلال سرٹیفکیشن کی اجازت دینا یا نہ دینا مؤخرالذکر سرکاری ادارے کا کام ہے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل جب یہ بازگشت سنائی دینے لگی کہ غیر مسلم بھی حلال وحرام کے میدان میں دلچسپی رکھتے ہیں تو اس وقت اپنے فہم کے مطابق یہ تحریر تیار کی گئی اور ایک مؤقر حلال تصدیقی ادارے سنحا پاکستان نے دونوں اداروں کو پیش کردی، مگر مقام افسوس ہے کہ جو خدشہ تھا وہ سامنے آگیا اور پنیک نے غیر مسلموں کے قائم کردہ اداروں کو بھی پاکستان میں حلال سرٹیفکیشن کی اجازت دے دی ہے۔

دوسری طرف مقام شکر ہے کہ گزشتہ مہینے کی تیرہ اور چودہ تاریخ کو ترکی کے شہر استنبول میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دنیا بھر سے مسلمانوں کے حلال تصدیقی ادارے شریک ہوئے اور کانفرنس کے اختتام پر یہ مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا کہ حلال وحرام کے متعلق غیر مسلموں کی مداخلت قبول نہیں کی جائے گی۔ کانفرنس کا اعلامیہ طویل، خوش آیند، اور ترکوں کی قائدانہ تاریخ اور خودادارانہ جذبات کا بھرپور ترجمان ہے۔

ماہنامہ بینات: شوال المکرم ۱۴۳۶ھ اگست ۲۰۱۵ء

شرعی اصطلاحات کا غیر شرعی استعمال

دبئی میں ''حلال وائن'' کے نام سے ایک مشروب متعارف کرایا گیا ہے جسے ایک ہسپانوی کمپنی نے تیار کیا ہے۔ اخبارات نے اس پر سرخیاں جمائی ہیں کہ اب حلال شراب بھی دستیاب ہوگئی ہے۔ بعض اخبارات نے تجارتی خبروں کے ضمن میں اس پر کالم بھی شائع کیے ہیں۔ سوشل میڈیا پر جہاں ہر شخص صاحب قلم ہے اور کسی خیال کے اظہار یا اسلوب بیان پر کوئی پابندی نہیں، وہاں اس خبر پر مختلف تبصرے اور تجزیے پیش کیے گئے ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ ''حلال وائن'' سے پہلے اس قسم کا ایک اور ایشو ملائیشیا میں بھی اٹھا تھا۔ خبروں کے مطابق وہاں کے مذہبی اقدار کے نگہبان ادارے کو مقامی اور غیر ملکی سیاحوں کی جانب سے شکایات موصول ہوئی تھیں کہ وہ بعض اشیاء کے ناموں کی وجہ سے اس تردد کا شکار رہتے ہیں کہ وہ حلال ہیں یا نہیں۔ ان شکایات کے بعد مذکورہ ادارے نے خورد ونوش کی اشیاء

فراہم کرنے والے ریستورانوں اور دوکان داروں کو ہدایت جاری کی تھی کہ وہ کھانوں اور ان میں شامل مصنوعی ذائقوں کے ایسے نام نہیں رکھ سکتے جو غیر حلال اشیاء کے ہوں جیسے بیکن، بیئر، رم، ہیم (سور) وغیرہ۔ اس پالیسی پر عمل درآمد کرتے ہوئے مذکورہ ادارے نے ایک مشہور اسٹور کو آگاہ کیا کہ اسے حلال تصدیق نامہ اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک وہ اپنے ''پریٹزل ڈاگ'' کا نام تبدیل کر کے کوئی اور موزوں نام نہیں رکھ لیتا۔ مذکورہ محکمے نے تجویز کے درجے میں اسٹور کو یہ رائے بھی پیش کی کہ پریٹزل ڈاگ کا نام بدل کر پریٹزل سا سج رکھا جا سکتا ہے۔

ملائیشیا جو مسلم اکثریت رکھنے والا ملک ہے، وہاں کے باشندوں کے مطالبے پر جب ان کے مذہبی مفاد کے تحفظ کے لیے سرکاری ادارے نے اس قسم کا فیصلہ جاری کیا تو سوشل میڈیا پر ایک طوفان برپا ہو گیا۔ ایک صارف نے شاعرانہ ترنگ میں لکھا کہ: ''یہ محض ایک نام ہے۔ نام حلال ہے یا نہیں؟ اس سے کسی کو کیا سروکار؟''۔ ایک اور شخص نے حکومت کے اس اقدام کو اپنے زعم میں ترقی اور روشن خیالی کے خلاف سمجھا اور لکھا کہ: ''اسی قسم کی موشگافیاں ہی ہیں جن کی وجہ سے ہمارا ملک دن بدن پیچھے جا رہا ہے۔''

ان دو واقعات پر لوگوں کے جو تاثرات سامنے آئے ہیں ان سے ان کی سوچ اور فکر کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ لوگ مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن کی نظر میں اس قسم کی بحثیں بے فائدہ اور وقت کا ضیاع ہیں، وہ اسے گئے وقتوں کی باتیں قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک اس موضوع کو اہمیت دینا اپنی ذہنی پسماندگی کا ثبوت دینا ہے۔

بعض وہ ہیں جو زمانے کو اسلام کے رنگ میں رنگنا نہیں چاہتے بلکہ اسلام کو زمانے کے سانچوں میں ڈھالنا چاہتا ہیں۔ یہ لوگ زمانے کے ہم رنگ ہو جاتے ہیں اور ہوا کا رخ ہی ان کے رخ کا تعین کرتا ہے۔ ان کے نزدیک کسی غذائی مواد کا غیر حلال نام رکھنا کوئی ایسا قابل

اعتراض فعل نہیں ہے۔ یہ طبقہ مذہبی طبقے پر اس وجہ سے برہم بھی نظر آتا ہے کہ ان کے مذہبی جذبات کو اس قسم کے واقعات سے ٹھیس کیوں پہنچتی ہے۔

کچھ وہ بھی ہیں جو اسلام کے مستقبل سے مایوسی کا شکار ہیں، ان کے خیال میں اسلام نے بالآخر جدید تمدن کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ جو ایمانی حرارت دل میں رکھتے ہیں مگر اپنی بادہ خوری اور مے نوشی کی عادت سے مجبور ہیں وہ خوش ہیں کہ چلو اب رند کے رند رہیں گے اور جنت بھی ہاتھ سے نہیں جائے گی۔

صحافت سے وابستہ حضرات نے ان خبروں کو جس پیرایہ میں بیان کیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہ تاثر دینا چاہ رہے ہیں کہ شراب جو حرام چلی آرہی تھی وہ اب حلال ہو چکی ہے اور جو لوگ اس کے شوق میں دیوانے ہوئے چلے جا رہے تھے وہ مے گلگوں اب ان کے ہاتھ لگنے والی ہے۔

ایک بڑا طبقہ مسلمانوں کا وہ ہے جو کھانے پینے کی اشیاء میں حلال وحرام کے حوالے سے کافی احتیاط برتتا ہے وہ اس مخمصے کا شکار ہیں کہ اس قسم کی غیر حلال نام والی اشیاء حلال ہیں یا نہیں کیونکہ وہ ''ہاٹ ڈاگ'' میں جب ڈاگ کا نام سنتے ہیں تو فوراً ان کو خیال آتا ہے کہ کتا تو اسلام میں حرام ہے اور جس برتن میں وہ منہ ڈال دے وہ بھی ناپاک ہے تو پھر ہاٹ ڈاگ کیسے حلال ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جب وہ بوتل پر حلال کا لفظ دیکھتے ہیں تو انہیں پروڈکٹ حلال معلوم ہوتی ہے مگر اسی لمحے جب لاحقے (وائن) پر نظر پڑتی ہے تو وہ اسے حرام سمجھنے لگتے ہیں اور جب پورے نام پر غور کرتے ہیں تو الجھن میں پڑ جاتے ہیں کیونکہ اگر حلال ہے تو شراب کیسے ہے؟ اور شراب ہے تو حلال کب سے ہو گئی ہے؟ ان کا تردد بے جا نہیں ہے۔ عقل مندوں نے ایک ہی شے کو دو متضاد الفاظ سے تعبیر کر کے آگ اور پانی کو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے۔

ہاٹ ڈاگ اور حلال وائن جیسے ایشوز سامنے آنے کے بعد یہ سنجیدہ نوعیت کا سوال پیدا ہوگیا ہے کہ کسی حلال مصنوع کو حرام نام سے یا حرام مصنوع کو حلال کے نام سے موسوم کرنا کیسا ہے؟ اس تحریر میں شرعی پہلو سے اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس جائزے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی پریشانی بجا ہے یا وہ جذباتی واقع ہوئے ہیں اور خوامخواہ پریشان ہوجاتے ہیں۔یہ جائزہ اس حوالے سے بھی مفید ہے کہ حلال سرٹیفکیٹ دینے والے ادارے کسی ایسے پروڈکٹ کو حلال تصدیق نامہ دے سکتے ہیں جس میں حلال اشیاء شامل ہوں اور وہ حلال طریقے سے تیار کیا گیا ہو مگر اسے غیر حلال نام سے موسوم کیا گیا ہو؟

اسلام کا تعلق سب سے پہلے ہمارے قلب وضمیر سے ہے اس لیے جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اپنے خیال سے جواب دینے یا کوئی کتاب دیکھنے یا کسی مفتی سے پوچھنے سے پہلے اسے ایک ایسی عدالت میں پیش کرنا چاہیے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے اور جس سے استفسار کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔جی ہاں! کتابوں کے اوراق پلٹنے ،مفتی کے جناب حاضر ہونے اور عدالت کا رخ کرنے سے پہلے شریعت ضمیر کی عدالت میں متعلقہ معاملہ پیش کرنے کا حکم دیتی ہے کیونکہ یہ ایسی عدالت ہے جو ہر انسان کے ساتھ ہے اور اس کی داخلی اور ذاتی ہے اور ہر قسم کے دباؤ سے آزاد اور وکیلوں کی چرب لسانی سے پاک ہے۔اس عدالت کی خوبی یہ ہے کہ اس میں مدعی اور مدعی علیہ اور وکیل اور جج ہم خود ہوتے ہیں،خود ہی مقدمہ دائر کرتے ہیں،خود ہی استغاثہ بنتے ہیں،خود ہی اپنے خلاف دلائل اور شواہد پیش کرتے ہیں ،خود ہی ان پر جرح کرتے ہیں اور پھر پورے خلوص کے ساتھ اس کی آواز پر فیصلہ کرتے ہیں۔اسی عدالت کے متعلق حدیث میں ہے کہ اپنے قلب سے فتوی پوچھو اگر چہ مفتی حضرات تمھیں کوئی اور فتوی دیں (الترغيب والترهيب للمنذری 1734)اسی کے متعلق

ارشاد نبوی ہے کہ گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تمہیں ناپسند ہو کہ لوگ اس سے آگاہ ہو جائیں۔(مسلم:2553)

ضمیر کی اس عدالت میں سہولت یہ ہے کہ نہ وکیل مقرر کرنے کی ضرورت ہے نہ عدالتی عمارت اور کرسی پر براجمان منصف کی حاجت ہے اور نہ ہی اس میں کوئی کورٹ فیس عائد ہے، شرط صرف یہ ہے کہ ایمان ہو، روح بیدار ہو، ضمیر زندہ ہو اور گناہوں کی کثرت اور خواہشات نفسانی کی اتباع سے روح مرجھا اور ضمیر کی آواز مدہم یا ختم نہ ہو گئی ہو۔

اس عدالت میں حلال کو حرام کے نام سے موسوم کرنے کا مقدمہ پیش کیجیے، اولین سماعت پر ہی یہ ناقابل اپیل فیصلہ آئے گا کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے البتہ جن کا ایمان بالکل کم نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہو یا جنہوں نے ضمیر کو گناہوں سے آلودہ کر دیا ہو ان کی عدالت سے فیصلہ کچھ اور صادر ہو تو بعید نہیں مگر شریعت ان کے فیصلے کا اعتبار نہیں کرتی کیونکہ اس عدالت سے سہولت اٹھانے کا حق صرف انہیں ہے جن کی فطرت سلیم، طبع مستقیم اور قلب و روح اتباع شریعت کی وجہ سے پاکیزہ ہوں۔

ضمیر کی عدالت کی ڈگری تو حلال کو حرام پکارنے یا اس کا برعکس کرنے کے خلاف ہے مگر ذوق سلیم کا فیصلہ بھی ضمیر کی تائید میں ہے۔صاف وستھرا اور پاکیزہ ذوق رکھنے والے اشخاص کے سامنے حلال گوشت کے تکے وکباب ہوں اور پھر ان سے کہہ دیا جائے کہ حلال خنزیر کے گوشت سے سب تیار کردہ ہیں تو بڑھے ہوئے ہاتھ کھنچ جائیں گے اور منہ اور حلق سے لقمے واپس نکلنے لگیں گے۔طبیعت کا یہ تکدر، رغبت کی یہ کمی اور کھانے سے ہاتھ کا کھینچنا دلیل ہے کہ کہنے والے نے بہت بڑی بدذوقی کا مظاہرہ کیا ہے۔اس طرح کی بدذوقی ایک مرتبہ ایک شخص نے امام دارالھجرہ امام مالک بن انس کے سامنے کی۔حضرت امام مالک کے مسلک میں

سمندری تمام جانور حلال ہیں مگر جب ان سے اس شخص نے پوچھا کہ سمندری خنزیر بھی حلال ہے؟ تو فرمایا: ''نہیں''۔ امام کو یاد دلایا گیا کہ وہ حقیقت میں خنزیر نہیں ہوتا۔ جواب ملا کہ جب وہ خنزیر نہیں ہے تو پھر اسے خنزیر کے نام سے پوچھا کیوں؟

الفاظ کے لحاظ سے حلال وائن اور حلال خنزیر میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر وائن حلال ہوسکتی ہے تو خنزیر بھی حلال ہوسکتا ہے اور اگر حلال گوشت کو خنزیر کا گوشت کہنا بدذوقی کی انتہا ہے تو حلال مشروب کو شراب کہنا بھی اتنا ہی برا ہے۔ پھر اگر شراب کے ساتھ حلال کا سابقہ لگایا جاسکتا ہے تو حلال زنا اور حلال رشوت اور حلال سود اور حلال خون اور پیپ کہنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ آج حلال وائن ہوسکتی ہے تو کل حلال زنا ہوسکتا ہے، جس اصول سے اول جائز ہے اس اصول سے ثانی بھی جائز ہوسکتا ہے۔

بدذوقی کی انتہا اس پہلو سے بھی ہے کہ دو متضاد الفاظ کو ایک ترکیب میں جمع کردیا گیا ہے۔ اگر کوئی شے حلال ہے تو وہ شراب نہیں ہوسکتی اور اگر شراب ہے تو وہ حلال نہیں ہوسکتی۔ حلال کا لفظ جائز کی نمایندگی کرتا ہے جب کہ وائن کو برائی کہنا کم ہے کیونکہ وہ برائی نہیں بلکہ برائی کی جڑ ہے اور اس وجہ سے اسے ام الخبائث کہا جاتا ہے۔ سچ ہے کہ جب انسان اور شریعت میں فاصلے بڑھتے ہیں تو عقل کا فاصلہ بھی انسان سے بڑھنے لگتا ہے۔

اگر کوئی اتالیق کہتا ہے کہ صرف نام ہی کا مسئلہ ہے یا کوئی شاعرانہ ادا میں کہتا ہے کہ نام میں کیا رکھا ہے!؟ تو بصد ادب عرض ہے کہ پھر مسلمان اپنی جائز اولاد کے نام فرعون، ہامان اور شداد کیوں نہیں رکھتے؟ اگر حلال اولاد کو فرعون پکارنا پسند نہیں تو حلال مشروب کو خمر (وائن) پکارنا کیوں کر گوارا ہے؟ اگر فرعون نام رکھنا اس وجہ سے ناپسند ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کا دشمن گزرا ہے تو خدا تعالیٰ کی دشمنی جس طرح نافرمان انسانوں سے ہے اسی طرح بری چیزوں سے بھی

ہے۔شراب سے توشریعت کی نفرت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ شراب کے سلسلے میں دس افراد پر لعنت وارد ہوئی ہے اور قرآن کریم میں اسے ''**رجس من عمل الشیطان**'' کہا گیا ہے۔

ناموں کے سلسلے میں قرآن کریم سے رہنمائی لیجیے تو وہ برے القاب دینے اور برے ناموں سے پکارنے سے منع کرتا ہے مثلاً اچھے کردار کے حامل کو بد کردار کہنا گناہ ہے کیونکہ خلاف حقیقت ہے، اسی طرح حلال کو کتا یا شراب کہنا بھی گناہ اور خلاف حقیقت ہے۔قرآن مجید کے بعد احادیث پر نظر کیجیے تو احادیث میں اچھے نام رکھنے کی ترغیب ہے اور یہ ترغیب ہر شے کے متعلق ہے، اسی کا اثر ہے کہ مسلمان اپنی اولاد کے علاوہ اپنے گھروں، مقامات اور مملوکہ اشیاء کے بھی اچھے نام رکھتے ہیں۔اگر خوردونوش کی پاک اور حلال اشیاء کا برا نام رکھا جاتا ہے تو قرآن کریم کے ساتھ ان احادیث کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے جن میں برے ناموں سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔برے نام وہ ہیں جن کا مطلب برا ہو یا جن میں خود نمائی کا عنصر ہو یا جن میں بدشگونی کا پہلو نکلتا ہو یا جن سے ذوق سلیم کو نفرت ہو۔ان وجوہات کی بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برے ناموں کو تبدیل فرمادیا کرتے تھے اور احادیث کی رو سے پینسٹھ کے قریب نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبدیل فرمائے ہیں۔ایک شخص کا نام غراب (کوا) تھا تو پیغمبر علیہ السلام نے اسے ''مسلم'' سے تبدیل فرمادیا۔شارحین اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ کوا بری صورت اور گندی فطرت کی بناء پر قابل نفرت ہے اور اسے سن کر طبیعت کو گھن محسوس ہوتی ہے۔جو گھن انسان کو کوے کا نام سن کر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ کراہت ایک صاف طبیعت کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ کسی ماکول یا مشروب کا نام ڈاگ یا وائن سنتا ہے۔مجمع الزوائد میں امام ہیثمی نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کلب یا کلیب (کتا یا پلا) نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

شریعت نے تو ایک لفظ کے استعمال پر بھی پابندی لگائی ہے اور اسے اتنی اہمیت دی ہے کہ اسے قرآن کا حصہ بنادیا ہے حالانکہ اس لفظ کا معنی اور مفہوم کوئی برا نہیں مگر وہ اس وجہ سے صحابہ کرام کی لغت سے نکال دیا گیا کہ غیر مسلم اس کا استعمال کرنے لگے تھے۔ چنانچہ ''راعنا'' عربی زبان کا لفظ ہے اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندویؒ: ''فصیح وبلیغ ہے'' اور جب سے عربی زبان ہے اس وقت سے یہ لفظ عربی ڈکشنری میں موجود ہے مگر یہود کی عادت تھی کہ جب مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوتے اور گفتگو کا سلسلہ چل پڑتا تو اس لفظ میں عین کو ذرا کھینچ کر پڑھتے جس سے وہ ''راعینا'' بن جاتا، اللہ تعالی چونکہ ہر ڈھکی چھپی بات سے بھی واقف ہیں اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو حکم دیا کہ عربی زبان بڑی وسیع ہے تم اس کے بدلے ''انظرنا'' کہا کرو۔

غور کیجیے! ایک لفظ ہے اور صحابہ کی مادری زبان کا لفظ ہے اور فصیح وبلیغ بھی ہے اور ہزاروں سالوں سے بولا جارہا ہے اور اس کے معنی میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے اور لفظ ہونے کی حیثیت سے اس کی حقیقت فقط اتنی ہے کہ ہونٹوں کو ذرا جنبش ہوئی اور لفظ ہوا میں گم ہوگیا مگر اس وجہ سے کہ یہود اس کا استعمال کرنے لگے تھے مسلمانوں کو اس کے استعمال سے روک دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ عربی زبان بڑی وسیع ہے تم اس کے متبادل کے طور پر ''انظرنا'' کو اپنے استعمال میں لاؤ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب حق تعالی شانہ ایک جائز لفظ کی ممانعت کردیتا ہے تو ایک ایسا لفظ جو برائی کا استعارہ اور اس کا منبع ومصدر ہو، اس کی ممانعت کیوں نہ کرے گا۔ اس کے ساتھ اس حدیث پر بھی غور کیجیے کہ ''عشاء'' کو ''عتمہ'' کہنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اہل جاہلیت سے اسے عتمہ کہا کرتے تھے۔

ممکن ہے کہ ناموں اور لفظوں کے خلاف شریعت کی یہ جنگ کسی کو سخت معلوم ہو مگر

حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے ہر گز بے جا سختی نہیں کی ہے بلکہ برائی کو اس کے حجم کے برابر ہی وزن دیا ہے۔ ہماری ظاہر بین نگاہ صرف معاملے کے ظاہری پہلو تک آ کر رک جاتی ہے مگر شریعت معاملے کی تہہ میں جھانکتی ہے اور اس کی نظر وہاں تک پہنچتی ہے جہاں ہماری عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔ لفظوں کے انتخاب کے اس مسئلے میں اصل معاملے کا کھوج لگائیں تو یہ عقدہ کھلے گا کہ معاملہ صرف لفظوں کے انتخاب تک محدود نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ کچھ اور ہے۔

علمائے مدنیت کے بقول مذہب سے تہذیب جنم لیتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ قضیہ بھی ملالیں کہ تہذیب کا عکس ناموں میں آتا ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب کا عکس ناموں میں آتا ہے۔ خود اپنی اسلامی تہذیب کا مشاہدہ کیجیے مذہب کی جھلک ناموں میں خوب نمایاں ہے۔ شریعت دراصل ان کی تہذیب وتمدن سے روکنا چاہتی ہے۔ اگر حلال کے پیچھے اسلامی تہذیب ہے تو شراب کی پشت پر ان کی تہذیب ہے۔ ان کے تہذیبی نام کا استعمال ان کی تہذیب کی قربت ہے جب کہ شریعت کو اس پوری تہذیب سے نفرت ہے اور یہی وہ نفرت ہے جو وہ مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنا چاہتی ہے۔

جب یہ نام (وائن) اور اس کی حقیقت (نشہ آور مشروب) ان کی تہذیب ہے تو ایک مسلمان کو اگر اللہ تعالی کی قربت اور رسول عربی ﷺ کی محبت مطلوب ہے تو اسے ان کی تہذیب، ان کے اصول واقدار، روایات ومعیارات اور طرز زندگی اور نظام زندگی سے نفرت رکھنا ہوگی کیونکہ پیغمبر دو جہاں ﷺ جو کامل اور مکمل تہذیب لائے ہیں اس میں سوئی کے ناکے برابر بھی غیروں کی تہذیب کی گنجائش نہیں ہے۔ فرمان باری ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾(١)

---

١) سورۃ ہود، آیت: ١١٣۔

یعنی تمہارا قلبی میلان نہ ہو، تمہیں شوق نہ چرائے، تم کبھی للچائی ہوئی نگاہ سے بھی نہ دیکھو ان لوگوں کو جو ظالم ہیں ورنہ آگ تمہیں چھولے گی۔ مسلمانوں کے لیے اگر کوئی کمپنی شراب کے نام سے مشروب تیار کرتی ہے تو اس کا مقصد بجز اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ غیر مسلم اور فساق وفجار مے نوشی کرتے ہیں اور مسلمان ان کی طرح مے کشی نہیں کرتے۔ کمپنی اپنی تجارت کی ضمن میں مسلمانوں کو یہ ترغیب دے رہی ہے کہ وہ مے کشوں کی نقل کر سکتے ہیں اور تصور اور خیال میں بادہ کش اور مے خور بن سکتے ہیں۔ اس تصور اور نقل کی بھی ممانعت ہے کیونکہ یہی وہ تہذیبی میلان اور کشش ہے جس کی ممانعت ہے اور جس کے متعلق ابھی ابھی قرآن کریم کا حوالہ گزرا۔

اس نقل اور تصور کے ممنوع ہونے کی وجہ سے علمائے کرام لکھتے ہیں کہ پانی کو شراب کا تصور کر کے پینا گناہ ہے۔ تصور سے پانی شراب نہیں بن جاتا مگر نیت میں فساد ہے اس لیے گناہ ہے۔ معلوم ہوا کہ جائز کام بھی بری نیت سے ناجائز ہوسکتا ہے۔ حلال وائن پیتے وقت یہ اندیشہ غالب ہے کہ لوگ اسے شراب کے تصور سے پینے لگیں گے اور پھر تصور سے حقیقت کی طرف چلے جائیں گے، کم از کم انہیں حقیقی شراب پینے کا شوق ضرور پیدا ہوگا۔ اگر پانی کے گلاس کو اس طرح سے دوسرے گلاس سے ٹکرایا جائے جس طرح شراب کے جاموں کو ٹکرایا جاتا ہے تو گناہ ہے کیونکہ یہ شرابیوں کی عادت ہے اور ان کی نقل بھی بری ہے۔ پہلی مثال میں شریعت نے تصور اور خیال کو اور دوسری میں نقل کو اس لیے ممنوع قرار دیا تا کہ برائی تک پہنچنے کا راستہ ہی بند کر دیا جائے۔

اسی کو شریعت کا قانون انسداد یا سد ذرائع کہتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ برائی کے راستے پر پہرے بٹھا دیے جائیں، اسی قانون کے تحت اگر چوری اور ڈاکہ منع ہے تو دوسرے کے مال کو اس نیت سے دیکھنا بھی برا ہے، اگر زنا حرام ہے تو بدنگاہی بھی حرام ہے، غیر محرم کا جھوٹا

عورت کے لیے مکروہ ہے کیونکہ پہلے پہل خیال پیدا ہوگا پھر شوق اور پھر حقیقت کی نوبت آجائے گی، اپنے والدین کو برا بھلا کہنا گناہ ہے تو دوسروں کے والدین کے خلاف بھی نازیبا کلمات کا استعمال ممنوع ہے کیونکہ ان کی اولاد بدلے میں اس کے والدین کو برا بھلا کہے گی۔

قانون سد ذرائع کی وجہ سے جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو ایک خاص مدت تک شراب کے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دیا گیا تھا حالانکہ ناپاک برتن اگر دھوکر پاک کر لیے جائیں تو اس میں خورد ونوش جائز ہوتا ہے۔آج بھی اہل علم خاص شکل کے گلاس میں جس کو وائن گلاس کہا جاتا ہے، پانی پینے کو منع فرماتے ہیں۔اس ممانعت کے پیچھے بھی وہی فلسفہ کارفرما ہے کہ ام الخبائث سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہیے تاکہ جائز کی وجہ سے کہیں ناجائز میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

اسی قانون سد باب کے تحت فقہاء لکھتے ہیں کہ حکومت وقت ایسے بعض مباحات پر پابندی لگا سکتی ہے جس سے ممنوعات میں ابتلاء کا اندیشہ ہو۔وائن کے نام سے حلال مشروب پینے میں یہ اندیشہ ضرور موجود ہے کہ پہلے نام سے نفرت ختم ہوگی اور پھر حقیقت سے نفرت ختم ہوجائے گی اور رفتہ رفتہ عادی شرابی بن جائے گا۔آج اگر ایک شخص حرام کے نام سے حلال مشروب نوش کر رہا ہے تو کل حرام کے نام سے حرام بھی پی سکتا ہے۔

حلال پروڈکٹ کے نام میں وائن کا لفظ استعمال کرنے میں ایک پہلو برائی کی تشہیر کا بھی ہے حالانکہ اسلام کا مزاج برائی کی غیر ضروری تشہیر کا نہیں ہے۔ایک اور قباحت یہ ہے کہ جب حرام کے ساتھ حلال کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے ایک تو فوری تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ حرام حلال ہوگیا ہے اور دوسرے وہ حدیث ذہن میں گونجنے لگتی ہے کہ آخر زمانے میں میری امت کے کچھ لوگ شراب کا نام بدل کر اسے پینے لگیں گے۔

ایک اور پہلو سے جائزہ لیجیے۔ زبان (بولی) اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کیونکہ اسی کے ذریعے انسان اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرتا ہے اور یہی ابلاغ کا سب سے عام، آسان اور مؤثر ذریعہ ہے۔ زبان کی ان خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس کا بطور احسان ذکر کیا ہے۔ زبان نعمت ہے تو الفاظ بھی نعمت ہیں کیونکہ زبان الفاظ سے وجود میں آتی ہے اور الفاظ ہی کا دوسرا نام زبان ہے۔ جو شے نعمت ہو وہ وقعت اور عظمت رکھتی ہے اس وجہ سے الفاظ بھی عظمت اور قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ الفاظ کی وجہ سے قلم جو کہ آلہ کتابت ہے اور کاغذ جو کہ محل کتابت ہے وہ بھی عظمت اور حرمت رکھتے ہیں۔ الفاظ کی اس حرمت اور تقدس کی وجہ سے ان کا ناشائستہ استعمال ان کو بے حرمت اور بے توقیر کرنا ہے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ ایک قوم نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت الفاظ کو بے حرمت کیا چنانچہ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد کتوں کو ''ٹیپ'' کا نام دیا گیا۔ اس کے مشہور جرنیل کا نام ''خان سامان'' تھا پھر باورچی کو خان ساماں کہنے لگے، شیخ کا لفظ اردو اور فارسی میں بہت بے وقعت ہے حالانکہ یہ شیخین کی طرف جاتا ہے، اسی طرح ''خلیفہ'' کے لفظ کو خوارج مصنفین نے بدنام کیا۔

الفاظ کے علاوہ یہاں کے کلچر اور ثقافت کو بھی استعمار نے بے وقعت کرنے کی کوشش کی چنانچہ پگڑی جو سنت ہے اور جس کے باندھنے پر بڑے فضائل ہیں اسے ڈھول اور سارنگی بجانے والے طبقے کا لباس بنا دیا گیا، مقصد اس ساری مشق کے پیچھے یہ تھا کہ محکوم قوم کو جسمانی محکومی کے ساتھ ذہنی اور فکری طور پر بھی محکوم بنایا جائے اور ان کے کلچر کو ان ہی کی نظروں میں ذلیل بنا دیا جائے۔

الغرض جب اس طرح الفاظ کے تقدس کو پامال کیا جائے تو وہ اپنا وزن کھو دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں قلوب سے اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور اہمیت ختم ہونے کے بعد ان کے

مطابق عمل بھی ختم ہو جاتا ہے اور یہی اس قسم کے حربوں سے مقصود ہوتا ہے۔ اس قسم کے حربوں کی قباحت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب کسی قوم کی بنیادی دینی اصطلاحات کے ساتھ یہ کھیل کھیلا جائے۔ حلال وحرام خالص دینی اصطلاحات ہیں اور یہ شریعت کے ڈومین ہیں اور ان کے پیچھے ایک پوری حقیقت ہے اور یہ اس حد تک جامع الفاظ ہیں کہ پورا دین سمٹ کر ان میں جمع ہو جاتا ہے مگر کبھی حلال وائن اور کبھی حلال تجارتی سود کی اصطلاحات سامنے آتی رہتی ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ دیدہ ودانستہ طور پر شریعت کو نشانہ بنانا مقصود ہے۔ جب مسلمان پر امن بقائے باہمی کے اصول پر کاربند ہیں اور دیگر مذاہب کی توہین اور اس کے شعائر کی تضحیک کو ناروا سمجھتے ہیں تو وہ بجا طور پر دیگروں سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ ان کے مذہب اور مذہبی شخصیات اور دینی شعائر کو احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے ،کم ازکم ان کی بے حرمتی نہ کی جائے ،اگر چہ احترام نہ کیا جائے مگر دنیا کے سامنے ہے کہ مسلمانوں کی مقدس شخصیات کے خلاف نازیبا کلمات کا استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے خاکے شایع کیے جاتے ہیں۔

آخر میں شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی ؒ کی ایک تحریر شامل خدمت ہے جو ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں موجود ہے۔ تحریر سے اندازہ ہوگا کہ حضرت شہیدؒ اس قسم کی کوششوں کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سوال وجواب دونوں میں ہمارے لیے غور وفکر کا بڑا سامان ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> س...... ''لندن میں ایک عیسائی دوست نے مشورہ دیا کہ میں ایک مسلم علاقے میں شراب کی دُکان کھول لوں اور اس کا نام ''مسلم وائن شاپ'' رکھوں۔ میں کچھ وقفے کے لئے حیرت زدہ رہ گیا ،مگر جلد ہی اس سے مخاطب ہوا کہ بھائی! میرے لئے شراب کا کاروبار کرنا حرام ہے ،مزید برآں آپ اس دُکان کا نام بھی ''مسلم

وائن شاپ" (شراب کی اسلامی دُکان) رکھوار ہے ہیں! عیسائی دوست ایک طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا کہ: "اگر سود کا کاروبار کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی "مسلم کمرشل بینک" کے نام سے، تو یہ بھی کیا جاسکتا ہے" اس دوست نے مجھے لاجواب کردیا۔"

یہ ایک مسلمان کے خط کا اقتباس ہے جو "اخبارِ جہاں" کے ایک شمارے میں شائع ہوا تھا، اس عیسائی دوست نے طنز کا جو نشتر ایک مسلمان کے جگر میں پیوست کیا ہے، اس کی چبھن ہر ذی حس مسلمان اپنے دِل میں محسوس کرے گا، لیکن کیا کیجئے ہماری بدعملی نے عقل وفہم ہی کو نہیں، ملّی غیرت وحمیت اور احساس کو بھی کچل کر رکھ دیا ہے۔ ڈُوب مرنے کا مقام ہے کہ ایک عیسائی، مسلمانوں پر یہ فقرہ چست کرتا ہے کہ "اسلامی بینک" کے نام سے سود کی دُکان کھل سکتی ہے تو "اسلامی شراب خانہ" کے نام سے شراب خانہ خراب کی دُکان کیوں نہیں کھل سکتی؟ لیکن ہمارے دور کے "پڑھے لکھے مجتہدین" اس پر شرمانے کے بجائے بڑی جسارت سے سود کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر فرمادیتے ہیں۔ پاکستان میں وقتاً فوقتاً سود کے جواز پر موشگافیاں ہوتی رہتی ہیں، کبھی یونیورسٹیوں کے دانشور سود کے لئے راستہ نکالتے ہیں، تو کبھی کوئی جسٹس صاحب رِبا کی اقسام پر بحث فرماتے ہوئے ایک خاص نوعیت کے سود کو جائز گردانتے ہیں۔ جناب کا ان موشگافیوں کے متعلق ایک مفتی اور محدث کی حیثیت سے کیا رَدِّعمل ہے؟

جواب میں حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں:

ج...... قریباً ایک صدی سے جب سے غلام ہندوستان پر مغرب کی سرمایہ داری کا

عفریت مسلط ہوا، ہمارے مجتہدین سود کو "اسلامی سود" میں تبدیل کرنے کے
لئے بے چین نظر آتے ہیں، اور بعض اوقات وہ ایسے مضحکہ خیز دلائل پیش کرتے
ہیں جنھیں پڑھ کر اقبال مرحوم کا مصرعہ:

"تم تو وہ ہو جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!"

یاد آجاتا ہے۔ ہمارے قریبی دور میں ایوب خان کے زیر سایہ جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے سود کو "اسلامیانے" کی مہم شروع فرمائی تھی، جس کی نحوست یہ ہوئی کہ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب اپنے فلسفۂ تجدّد کے ساتھ ایوب خان کے اقتدار کو بھی لے ڈُوبے۔ اب نئی حکومت نے اسلام کے نظامِ معاشیات کی طرف پیش رفت کا ارادہ کیا، ابھی اس سمت قدم اُٹھنے نہیں پائے تھے کہ ہمارے لکھے پڑھے مجتہدوں کی جانب سے "الامان والحفیظ" کی پکار شروع ہوگئی۔ ان حضرات کے نزدیک اگر انگریز کا نظامِ کفر مسلط رہے تو مضائقہ نہیں، مغرب کا سرمایہ داری نظام قوم کا خون چوس چوس کر ان کی زندگی کو سراپا عذاب بنادے تو کوئی پروا نہیں، کمیونسٹوں کا ملحدانہ نظام انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی صف میں شامل کردے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اسلام کے عادلانہ نظام کا اگر کوئی نام بھی بھولے سے لے ڈالے تو خطرات کا مہیب جنگل ان کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے، گویا ان کے ذہن کا معدہ دورِ فساد کی ہر گلی سڑی غذا کو قبول کرسکتا ہے، نہیں قبول کرسکتا تو بس اسلام کو، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ان تمام باتوں کا اگر مجموعی جائزہ لیا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ معاملہ صرف تجارتی نہیں بلکہ مذہبی ہے اور صرف نام تک محدود نہیں بلکہ درپردہ مقصد اور ہے اور کوئی اتفاقی حرکت نہیں بلکہ منظم کوشش ہے اور پہلی بار ایسا نہیں ہوا بلکہ باربار کی کوششوں کا تسلسل ہے اور اسے دیگر معاملات سے الگ کر کے نہیں بلکہ ان کا حصہ سمجھ کر دیکھنا چاہیے۔

کوچنیل نامی کیڑے سے کشید کردہ رنگ کا حکم!

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

موجودہ ترقی یافتہ دور میں انسان مختلف قسم کے رنگوں کا استعمال کررہا ہے، خاص کر کھانے پینے کی بعض اشیاء، ادویات اور خواتین کے میک اپ کی اشیاء میں مختلف قسم کے رنگوں کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ رنگ مختلف ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: پھل، سبزیاں، پھول، کیڑے مکوڑے اور کیمیکلز، وغیرہ۔

ان رنگوں میں سے لال رنگ کا استعمال زمانۂ قدیم سے ہے۔ پہلے یہ رنگ مصوری میں، کپڑے اور دھاگے رنگنے میں استعمال ہوتا تھا اور آج ترقی یافتہ دور میں اسے کھانے پینے کی اشیاء اور خواتین کے میک اپ کے سامان، مثلاً لپ اسٹک وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس لال رنگ کے حصول کا ایک ذریعہ ''کوچنیل'' نامی ایک مادہ کیڑا ہے، جس کی غذا ''کیکٹس'' نامی ایک پودہ ہے۔ یہ کیڑا لاطینی امریکہ میں پایا جاتا ہے اور دنیا کے مختلف علاقوں

میں اس کی فارمنگ کی جارہی ہے۔

اس مادہ کیڑے کوچنیل سے لال رنگ حاصل کرنے کے دوطریقے رائج ہیں:

1) کوچنیل مادہ کیڑے کو کیکٹس کے پتے سے احتیاط سے اتار کر مکمل پیس کر سفوف بنالیا جاتا ہے اور اس سفوف کو پانی یا الکحل میں ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔

2) اسی طرح کبھی الکحل یا پانی میں مکمل کیڑے کو اچھی طرح اُبالا جاتا ہے اور لال رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔ مذکورہ طریقے کو سمجھنے کے لئے انٹرنیٹ کے درج ذیل ایڈریس پر موجود ویڈیو کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

/ www.youtube.com //:http:Youtube video 1

watch?v =jSgteZSLJ90 feature=related

www.youtube //:h t t p : 2 Youtube video

9YzM1Edb6mo=com/watch?v

سوال یہ ہے کہ:

1) کیا کوچنیل کیڑے سے حاصل کردہ مذکورہ رنگ پاک ہے یا نہیں؟

2) یا کوچنیل کیڑے سے حاصل کردہ رنگ کا استعمال کھانے پینے میں جائز ہے؟

3) کیا کوچنیل کیڑے سے حاصل کردہ رنگ کا استعمال میک اپ کے سامان مثلاً: لپ اسٹک وغیرہ میں درست ہے یا نہیں؟

مستفتی: رضوان وارثی، چیئرمین ایچ آر سی، پاکستان

الجواب باسمہ تعالیٰ

''کوچنیل''(COCHINEAL) جسے اُردو میں ''کچنیلا'' یا ''کرم دانہ'' اور عربی میں ''قرمز'' کہا جاتا ہے، ایک چھوٹا سا کیڑا (INSECT) ہے، جو جسامت میں مکھی کے برابر ہوتا ہے اور خاص کر لاطینی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ کیڑا کیکٹس (ناگ پھنی) نامی پودے پر پایا جاتا ہے اور اسی سے اپنی خوراک حاصل کرتا ہے۔

جس وصف کی بناء پر یہ کیڑا دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے اور جو خصوصیت اُسے دوسرے کیڑے مکوڑوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اُس کا ذائقہ، لذت، غذائیت، خوب صورتی یا شفا بخش ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کے مادہ کے پیٹ میں پائی جانے والی گہری سرخی ہے۔ اس کیڑے کا مادہ پورا کا پورا سرخی سے بھرپور ہوتا ہے، مگر خاص طور پر اس کے پیٹ میں ایسے انڈے پائے جاتے ہیں، جن میں باقی جسم کے مقابلے میں زیادہ مقدار میں گہرا سرخ رنگ ہوتا ہے۔ اسی گہرے شوخ رنگ کے حصول کے لئے مختلف خطوں میں اس کی مصنوعی افزائش بھی کی جاتی ہے۔ تقریباً ستر ہزار کیڑوں سے ایک پاؤنڈ کے برابر لال رنگ حاصل ہوتا ہے۔ پیرو (PERU) اس سلسلے میں بہت آگے ہے، جو سالانہ دو سوٹن ڈائی بناتا ہے۔

مذکورہ رنگ مختلف اشیاء میں استعمال ہوتا ہے، مگر اس کا خاص استعمال کھانے کی اشیاء کو رنگنے کے لئے ہوتا ہے، تاکہ وہ دل کش، خوش رنگ اور خوش نما معلوم ہوں۔ خوردنی اشیاء کے علاوہ اس کا استعمال مشروبات، ادویات، کپڑوں اور کاسمیٹکس میں بھی ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> ''COCHINEAL قرمز، فرنگی، کرم دانہ'' وہ مردہ کیڑے جو میکسیکو کے ملک میں ملتے ہیں اور جن سے قرمزی رنگ بنایا جاتا ہے۔ (۱)

---

۱) اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری، بابائے اردو مولوی عبدالحق، ص ۱۹۹، انجمن ترقی اردو ادب، کراچی، طبع جدید، ۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰ء۔

(COCHINEAL) ایک سرخ، قرمزی رنگ جو خصوصاً کھانے کی چیزوں کو رنگنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، کچنیلا ۲۔ میکسیکو کے کیڑے قرمز DECTY LOPIUS COCUS- کی مادئیوں کے سوکھے جسم جن سے یہ رنگ حاصل ہوتا ہے۔(۱)

ایک تیز رنگ کا سرخ مادہ جو خوراک کو رنگنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

کچنیلا ؛ کرم دانہ؛ قرمز، قرمزی رنگ، یا سرخ رنگ جو بہت سی مادہ قرمز (ایک قشری کیڑا) کے سوکھے جسموں کو پیس کر بنایا جاتا ہے، یہ کیڑا میکسیکو، وسطی امریکا اور دیگر گرم خطوں میں اگنے والی ناگ پھنی قسم کی جھاڑیوں میں نشوونما پاتا ہے؛ قرمز فرنگی۔(۲)

کوچنیل سے اس رنگ کا حصول چند تدریجی مرحلوں میں ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس کیڑے کو مارا جاتا ہے۔ مارنے کے مختلف طریقے ہیں:

۱:- یا تو اسے پانی میں اُبالا جاتا ہے۔

۲:- یا لکڑی کے تختے نما برتن میں ہلا جلا کر مارا جاتا ہے۔

۳:- یا پھر اوون وغیرہ کے ذریعے اسے مصنوعی گرمائش دی جاتی ہے۔

۴:- یا پھر دھوپ میں ڈال دیا جاتا ہے۔

---

۱) اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری، مترجم: شان الحق حقی، ص:۲۷۲، ط: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، اشاعت دوم، ۲۰۰۳ء۔

۲) قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان، طبع ششم، ۲۰۰۶ء، ص ۳۸۶۔

مارنے کے بعد اُسے نمی سے بچا کر خشک کیا جاتا ہے اور پھر کوٹ کر، پیس کر اور چھان کر غیر ضروری مواد کو الگ کیا جاتا ہے اور مطلوبہ اجزاء کا سفوف بنا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اُسے چند مزید کیمیائی مراحل سے گذارا جاتا ہے۔ اس طرح یہ رنگ تیار ہو جاتا ہے۔ بازار میں موجود ’’E120‘‘، کارمائن، کارمینک ایسڈ، نیچرل ریڈ اور کوچنیل وغیرہ اسی رنگ کی نمائندگی کرتے ہیں۔(۱) کاسمیٹکس انڈسٹری اس کے لئے ’’C.I.75470‘‘ کا کوڈ استعمال کرتی ہے۔(۲)

---

۱) غذائی مصنوعات میں تیاری، تکمیلی مرحلے، پیکیجنگ اور ذخیرہ کاری کے موقع میں کچھ اضافی اجزاء شامل کیے جاتے ہیں۔ یہ اضافی اجزاء کبھی تو خود استعمال سے مقصود ہوتے ہیں یعنی ان کی حیثیت خام مال یا تکمیلی مواد کی ہوتی ہے اور کبھی ان کی غذائی قدر و قیمت نہیں ہوتی بلکہ ان کا مقصد پروڈکٹ کی حفاظت، ذائقے کی بہتری، خوبصورتی، پتلا یا گاڑھا بنانا، دیرپا اور محفوظ کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ اشیاء کی خوشنمائی، عمدگی اور ان کو جاذب نظر اور پرکشش بنانے کے لیے بھی مختلف قسم کے اجزاء استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ زبان کے ساتھ نگاہ بھی لطف اٹھائے اور انسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہو۔ اس مقصد کے لیے جو اضافی اجزاء استعمال کیے جاتے ہیں ان کا ای نمبر ایک سو سے ایک سو اسی یا سو سے دو سو کے درمیان ہوتا ہے۔ پھر رنگ کی ایک ذیلی تقسیم سرخ، پیلے، نیلے وغیرہ کے حساب سے قائم کی گئی ہے مثلاً یہ کہ ایک سو سے ایک سو دس تک سبز رنگ کے لیے ہوں گے وغیرہ۔

کوچنیل کا نمبر E120 ہے۔ کوچنیل سے کیمیائی عمل کے بعد حاصل ہونے والا رنگ کارمائن کہلاتا ہے جو کہ عمدہ ہوتا ہے جب کہ ابتدائی طور پر جو رنگ حاصل ہوتا ہے اسے ((Cochineal Extract کہتے ہیں۔

۲)"The insects are killed by immersionin hot water(after which they are dried) or by exposure to sunlight, steam, or the heat of an oven." (وکی پیڈیا)

‘‘Once all of the insects are collected, farmers pour them onto a wooden plank. For five to six minutes, the farmer will shake the beetles in a process that eventually kills the insects while retaining their dark colors.There are other ways to kill the bugs).....

http//:www.businessinsider.com/how-cochineal-insects-color-your-)food-and-drinks-2012op=1

جیسا کہ ذکر ہوا کہ ''کوچنیل'' کومختلف طریقوں سے مارا جاتا ہے۔آگ سے مارنا یا جو طریقہ آگ سے مارنے کے حکم میں ہو،اس کے ذریعے کوچنیل کو مارنا جائز نہیں ہے، کیونکہ آگ سے مارنا خاصۂ خداوندی ہےاور جب آگ کے علاوہ دوسری ترکیب سے اُسے مارا جاسکتا ہےتو پھر آگ سے مارنا جائز نہیں ہے۔فقہاء نے ریشم کے کیڑوں کو دھوپ میں مارنے کی اجازت اس بناء پر دی ہے کہ انہیں مارنے کی کوئی اور تدبیر نہیں ہے۔(۱)

اس مقام پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ جان دار کو'' آگ میں جلانے کی ممانعت'' یا اسے ''زائد از ضرورت تکلیف دینے کی قباحت'' اسلام کی اس رحمت عامہ اور شفقت تامہ کی بناء پر ہے جس کا اثر اانسانوں سے گزر حیوانات ،نباتات اور جمادات سب تک پہنچا ہوا ہے اور جس سے ہر مخلوق اپنے اپنے دائرے میں اپنی نوعیت اور مقام و مرتبے کے مطابق فیض یاب ہورہی ہے۔انسان کو بھی ترغیب ہے کہ وہ اپنے اندر اخلاق الٰہی پیدا کرتے ہوئے خدا کی مخلوق کے ساتھ رحم اور شفقت کا معاملہ کرے۔تاہم اگر انسان سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حکم کی خلاف ورزی کرتا ہےاور جان دار کو آگ میں جلاتا ہے یا اسے غیر ضروری تکلیف دیتا ہےتو اس کا فعل گناہ ہےاور اس کا عمل اس کے منصب کے تقاضوں کے منافی ہے، مگر اس کی وجہ سے جان دار کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔اگر وہ حلال ہےتو حلال ہی رہتا ہےاور اگر حرام ہےتو حرام ہی رہتا ہے۔اس لئے کوچنیل کو آگ میں جلانے کا عمل تو برا ہے،مگر اس سے کوچنیل کی حلت وحرمت پر یا طہارت ونجاست پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں: اس فعل کی مرتکب غیر مسلم قومیں ہیں،جنہیں اسلام کے تصورِ حقوق کی

---

۱) بہشتی زیور،حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ،نواں حصہ،ص: ۱۰۳،طبع:المکتبۃ المدینۃ،اردو بازار،لاہور،سن طباعت ۱۹۸۲ء۔

وسعت اور ہمہ گیریت سے تو آگاہ کیا جاسکتا ہے اور انہیں حیوانات کے حقوق کے متعلق ان کے نعرے اور دعوے تو یاددلائے جاسکتے ہیں، مگر اُنہیں کسی خاص طریقہ کار کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔

حاصل یہ ہے کہ آگ میں مارنے یا نہ مارنے کا سوال مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے غیر اہم ہے تاہم جس صورت میں ''کوچنیل''میں الکحل ملایا گیا ہو، اس صورت میں یہ سنجیدہ اور اہمیت کا حامل سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس پروڈکٹ میں کوچنیل ہو اور کوچنیل میں الکحل ہو، وہ پاک ہے یا ناپاک ہے، حلال ہے یا حرام ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے وقت تھوڑی دیر کے لیے کوچنیل تو پس پردہ چلا جاتا ہے اور الکحل موضوع بحث بن جاتا ہے کہ وہ کس ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے؟

اگر الکحل انگور یا کھجور سے کشید کیا گیا ہو تو تینوں حنفی اماموں کے نزدیک اس کا خوردنی استعمال حرام ہے، اور اگر کسی اور ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو تو شیخینؒ کے نزدیک اس کا بیرونی استعمال جائز ہے، مگر امام محمدؒ کے نزدیک اس کا بیرونی استعمال بھی ناجائز ہے۔ اکثریت کا قول اور مفتی بہ قول امام محمدؒ کا ہے، اس لئے جس پروڈکٹ میں الکحل مِلا ہوا کوچنیل استعمال کیا گیا ہو ،اس کا خارجی استعمال بھی ناجائز ہوگا۔(۱)

اگرچہ ضرورت اور تنگی کے موقع پر شیخینؒ کے مذہب کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے اور مشائخ نے ایسے موقعوں پر ان کے مذہب پر فتوی بھی دیا ہے، مگر اس سہولت سے فائدہ اٹھانا اس

---

۱) الکحل کا نشہ کی حد تک استعمال تو ہر امام کے نزدیک ناجائز ہے اور اگر نشہ کی حد تک نہ ہو اور الکحل چار حرام شرابوں سے بھی نہ بنا ہو تو امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک وہ پاک ہے اور امام محمد اور جمہور کے نزدیک ناپاک ہے۔ آج کل چونکہ اشیاء میں الکحل کی آمیزش عام ہے اور عموماً وہ چار حرام شرابوں سے تیار کردہ بھی نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کثرت استعمال کی وجہ سے شیخین کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔

وقت مناسب ہوگا جب لال رنگ ہماری ضرورت ہواور لال رنگ کی ضرورت الکحل ہو۔(۱)

مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو اس رنگ کی تیاری میں الکحل کا استعمال ناگزیر ہو، اور دوسری طرف یہ رنگ ہماری ضرورت اور مجبوری ہو، اور ہماری مجبوری کو دیکھتے ہوئے شریعت اپنے حکم میں نرمی پیدا کر کے اسے ہمارے لئے مباح کر دے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اس رنگ کا حصول الکحل پر منحصر ہے (جیسا کہ شروع میں گذرا) اور نہ خود یہ رنگ دوا یا غذا کا ناگزیر جزء ہے اور نہ ہم کسی رنگ کے اس قدر محتاج ہیں کہ ہمارا احتیاج شرعی ضرورت کا درجہ اختیار کر لے۔

اگر اس رنگ کی تیاری میں کسی بھی مرحلے میں الکحل کا استعمال نہ ہو تو پھر اس کا بیرونی استعمال تو جائز ہوگا، مگر خوردنی استعمال پھر بھی نا جائز رہے گا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اشیاء کی چند قسمیں ہیں:

۱:- جمادات، ۲:- نباتات، ۳:- مائعات، ۴:- حیوانات

حیوانات پھر دو قسموں میں تقسیم کئے جاتے ہیں:

(۱) بحری، (۲) بری۔

بری جانوروں کی پھر تین بڑی بڑی قسمیں ہیں:

(۱) جن میں بہتا ہوا خون ہو۔ (۲) جن میں خون تو ہو لیکن بہنے والا نہ ہو۔

---

۱) رنگ اگر پاک اور حلال اشیاء سے بنایا گیا ہو اور اتنی مقدار میں کسی پروڈکٹ میں شامل کیا گیا ہو جو مضر اور مسکر نہ ہو تو اسے ملانے اور کھانے کھلانے میں کوئی حرج نہیں، مگر کارمینک ایسڈ کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ اس میں ضرر اور سکر نہ بھی ہو مگر خبث کی علت موجود ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

(۳) اور جن میں سرے سے خون ہی نہ ہو۔

''وأما الذي يعيش في البر فأنواع ثلثة:ما ليس له دم أصلا، وما ليس له دم سائل...وماله دم سائل...''(۱)

ترجمہ: خشکی میں رہنے والے جانور تین قسم پر ہیں: جن میں سرے سے خون نہ ہو اور جن میں بہتا ہوا خون نہ ہو اور جن میں بہتا ہوا ہو۔

کوچنیل ایک کیڑا ہے جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس کا تعلق اس دوسری قسم سے ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''حشرات کو غیر ذی دم مسفوح مانا گیا ہے''۔(۲)

کوچنیل کی نوعیت متعین ہونے کے بعد اب اس کے متعلق دو سوالات حل طلب ہیں:

۱) کیا ''کوچنیل'' پاک ہے؟

۲) کیا ''کوچنیل'' حلال ہے؟

طہارت اور حلت کے عنوان سے دو الگ سوالات اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ دونوں ہم معنیٰ تعبیریں اور مترادف اصطلاحات نہیں ہیں۔ ممکن ہے بلکہ امر واقعہ ہے کہ بعض

---

۱) هندية المعروف بفتاوى عالمگيرى، الباب الثاني في بيان ما يؤكل من الحيوان ،ص:۲۸۹، ج:۵، مكتبه ماجديه، كوئٹه، طبع دوم، سن طباعت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۲) بہشتی زیور، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، نواں حصہ، ص:۱۰۶، طبع: المکتبۃ المدینۃ، اردو بازار، لاہور، سن طباعت ۱۹۸۲ء۔

جانور پاک تو ہوتے ہیں، مگر حلال نہیں ہوتے ہیں، جیسا کہ پانی میں رہنے والے جانوروں کا حال ہے کہ وہ پاک تو ہیں، مگر سب کے سب حلال نہیں ہیں۔ کوچنیل بھی پاک ہے، کیونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، مگر حرام بھی ہے، کیونکہ اس میں ''خبث'' کی علت پائی جاتی ہے۔ گویا ایک علت سے کوچنیل پاک ہے اور دوسری علت سے حرام ہے۔

پاک ہونے کی وجہ سے اگر یہ کیڑا پانی میں گر جائے یا گر کر مر جائے یا مر کر گر جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اور اس کا جسم پر بیرونی استعمال بھی جائز ہے، مگر خبث کی وجہ سے یہ کیڑا حرام ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ایک ایسا فتوی درج ہے جو لگتا ہے کہ کوچنیل ہی کے متعلق ہے، صرف نام کی صراحت نہیں ہے:

''سوال: یہاں دکانوں میں لال شربت ملتا ہے، اس کے اندر جو سرخی اور لالی ہوتی ہے وہ ایک قسم کی مکھی سے کشید کی جاتی ہے۔ اس مکھی کو پیس کر یا کسی اور طریقہ سے سرخی کشید کرتے ہیں اور اس کو شربت میں ملاتے ہیں تو اس شربت کا پینا کیسا ہے؟

الجواب: ''مکھی اور چیونٹی میں دم سائل نہیں ہے، اس لئے پاک ہے، مگر کھانا حلال نہیں، خارجی استعمال درست ہے، داخلی استعمال درست نہیں، لہٰذا اس کا کوئی جزء شربت میں پڑتا ہو تو اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔''(۱)

بہشتی زیور میں بھی یہی بات کہی گئی ہے:

---

۱) فتاویٰ رحیمیہ، مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ، **كتاب الحظر والإباحة، باب ما يجوز أكله وما لا يجوز،** ص:۱۳۸، ج:۹، ط: دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹ء۔

''کیڑے مکوڑے اور خشکی کے جملہ وہ جانور جن میں دم سائل نہ ہو، پاک ہیں، جیسے حشرات الارض بچھو، بیتے، چھوٹی چھپکلی جس میں دم سائل نہ ہو، چھوٹا سانپ جس میں دم سائل نہ ہو، خارجاً ان کا استعمال ہر طرح درست ہے اور داخلاً سب حرام ہیں، سوائے ٹڈی کے۔''(۱)

عربی فتاویٰ جات میں بھی حشرات کو پاک لکھا ہے اور ان کے کھانے کو حرام کہا گیا ہے:

"واعلم أن کل ما لا یفسد ماء لا یفسد غیر الماء وھو الأصح کذا في المحیط والتحفة والأشبه بالفقه کذا فی البدائع، لکن یحرم أکل ھذہ الحیوانات المذکورة ماعدی السمک الغیر الطافي...(۲)

ترجمہ:- جان لو کہ جو چیز پانی کو فاسد نہیں کرتی وہ پانی کے علاوہ اشیاء کو بھی فاسد نہیں کرتی، یہی صحیح تر ہے جیسا کہ محیط اور تحفہ میں ہے اور یہی فقہ کے قریب تر ہے جیسا کہ بدائع میں ہے لیکن ان جانوروں کا کھانا حرام ہے سوائے مچھلی کے جو اپنی موت آپ نہ مری ہو۔

ویکرہ أکل الضبع...والحشرات کلھا) والظاھر أن الحشرات کلھا من الخبائث."(۳)

ترجمہ:- اور گوہ کا اور تمام کیڑے مکوڑوں کا کھانا مکروہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ سب کیڑے مکوڑے خبائث میں داخل ہیں۔

"وموت ما لیس له نفس سائلة فی الماء لا ینجسه کالبق والذباب

---

۱) بہشتی زیور، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، نواں حصہ، ص: ۱۰۴، طبع: المکتبة المدینة، اردو بازار، لاہور، سن طباعت ۱۹۸۲ء۔

۲) فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل أکله وما لا یحل، ص: ۵۰۰ تا ۵۰۲، ج: ۹ ط: دار الفکر، بیروت۔

۳) فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ، کتاب الذبائح، فصل فیما یحل أکله وما لا یحل، ص: ۵۰۰ تا ۵۰۲، ج: ۹ ط: دار الفکر، بیروت۔

والزنابیر والعقارب ونحوها"۔(۱)

ترجمہ:-جس حیوان میں بہتا ہوا خون نہ ہو اس کا پانی میں مرنا پانی کو ناپاک نہیں کرتا جیسے پسو، مکھی، بھڑ اور بچھو وغیرہ۔

وما لیس له دم سائل کالبق والذباب)لأن النجس هو الدم المسفوح۔"(۲)

ترجمہ:-جس میں دم سائل نہ ہو وہ پانی کو ناپاک نہیں کرتا جیسے پسو اور مکھی کیونکہ نجس تو بہنے والا خون ہے۔

"وکذلک مالیس له دم سائل مثل الحیة والوزغ وسام أبرص وجمیع حشرات الأرض وهوامّ الأرض من الفارة و القراد و القنافذ والضب و الیربوع وابن عرس ونحوها"۔(۳)

ترجمہ:-اسی طرح جس میں بہتا خون نہ ہو جیسے سانپ، چھپکلی، گرگٹ اور تمام کیڑے مکوڑے اور زمین پر چلنے والے چھوٹے جانور جیسے چوہا، چیچڑی، سیہی، گوہ، یربوع اور نیولا وغیرہ۔

"فمالادم له أصلا مثل الجراد والزنبور والذباب والعنکبوت والخنفساء و العقرب و الببغاء ونحوها لا یحل أکله إلا الجراد خاصة"۔(٤)

---

۱) هندیة المعروف بفتاوی عالمگیری ،الباب الثالث فی المیاه ،الفصل الثانی ، ص:۲۴ج:۱، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، طبع دوم۔

۲) السعایة فی کشف ماشرح الوقایة،امام محمدعبدالحئی لکھنوی،متوفی ۱۳۰۴ھ، کتاب الطھارة،ص:۳۵۴،۳۵٦ط:سھیل اکیڈمی لاہور۔

۳) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،علاء الدین ابوبکربن سعوداحمدکاسانی حنفی (۵۷۴ھ) کتاب الذبائح والصیود،ص:۳٦،ج:۵،ط:مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔

٤) هندیة،الباب الثانی فی بیان مایؤکل من الحیوان،ص:۲۸۹،ج:۵،مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ۔

جس جانور میں بالکل ہی خون نہ ہو جیسے ٹڈی، بھڑ، مکھی، مکڑی، بھونرا، بچھو، طوطا وغیرہ تو ان کا کھانا جائز نہیں البتہ ٹڈی کا کھانا جائز ہے۔

کیڑے طبعی طور پر مرغوب نہیں ہوتے ہیں، سلیم طبیعتوں کو ان کے کھانے سے گھن آتی ہے۔ جن چیزوں سے ذوقِ سلیم اور طبع مستقیم کو کراہت محسوس ہو، وہ شرعاً بھی ناجائز ہوتی ہیں۔

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

"ضبط أهل الفقه حرمة التناول إما بالإسكار كالبنج وإما بالإضرار بالبدن كالتراب والترياق أو بالإستقذار كالمخاط والبزاق"۔(۱)

ترجمہ:-فقہاء نے کھانے کی حرمت کی وجوہات کو منضبط کیا ہے چنانچہ کسی چیز کا کھانا یا تو نشہ آور ہونے کی بنا پر حرام ہوتا ہے جیسے بھنگ یا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ بدن کے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں ہوتی ہے جیسے مٹی اور تریاق یا اس وجہ سے کوئی چیز حرام ہوتی ہے کہ اس چیز سے گھن آتی ہے جیسے رینٹ اور تھوک۔

"ولا يحل ذو ناب يصيد بنابه... ولا الحشرات) هي صغار دواب الأرض واحدها حشرة... ثم قال: والخبيث ما تستخبثه الطباع السليمة... وتحته في الرد: قال في معراج الدراية: أجمع العلماء على أن المستخبث حرام بالنص وهو قوله تعالى: ويحرم عليهم الخبائث..."۔(۲)

ترجمہ:-اور کچلیوں والا جانور جو اپنے کچلیوں سے شکار کرے اور حشرات حلال

---

۱) تنقیح الفتاوی الحامدیة، ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۵۲ھ) ص:۳۶۳، ج:۲، ط:المکتبة الحبیبیة۔

۲) رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۵۲ھت) کتاب الذبائح، ص:۳۰۵،۳۰۶، ج:۶، ط:ایچ ایم سعید، کراچی۔

نہیں ہیں۔ یہ حشرۃ کی جمع ہے جو چھوٹے زمینی جانوروں کو کہتے ہیں.... پھر کہا کہ خبیث وہ ہے جسے سلیم طبیعتیں خبیث جانیں، اس کے تحت ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ مستخبث نص کی وجہ سے حرام ہے، نص سے مراد یہ آیت قرآنی ہے کہ حرام کرتا ہے ان خبیث چیزوں کو۔

"وحل غراب الزرع ...لا الأبقع...والحشرات...يعنى هذه الأشياء لاتوكل...والحشرات فلأنها من الخبائث..."۔(۱)

ترجمہ:- کھیتی کا کوا حلال ہے مگر ابقع کوا (جو مردار کھاتا ہے) اور حشرات حلال نہیں ہیں یعنی یہ اشیاء نہیں کھائی جائیں گی اور حشرات اس وجہ سے نہیں کھائے جائیں گے کہ خبائث میں داخل ہیں۔

یہی مضمون ''بہشتی زیور'' میں بھی ہے:

''جاننا چاہئے کہ شریعت مطہرہ میں استعمال کے منع ہونے کی وجہیں چار ہیں: نجاست... مضر ہونا... استخباث، یعنی طبیعت سلیمہ کا اس سے گھن کرنا، جیسے کیڑے مکوڑوں میں، اور نشہ لانا''۔(۲)

مذکورہ بالا عبارت سے کچھ پہلے ایک دوسرے مقام پر ہے:

''اسی طرح سرکہ کو مع کیڑوں کے کھانا یا کسی معجون وغیرہ کو جس میں کیڑے

---

۱) **البحر الرائق شرح کنز الدقائق، زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، کتاب الذبائح، ص:۱۷۲، ج:۸، ط: رشیدیہ، کوئٹہ۔**

۲) بہشتی زیور، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، نواں حصہ، ص:۹۸، طبع: المکتبۃ المدینۃ، اردو بازار، لاہور، سن طباعت ۱۹۸۲ء۔

پڑ گئے ہوں، مع کیڑوں کے یا مٹھائی کو مع چیونٹیوں کے کھانا درست نہیں اور کیڑے نکال کر درست ہے۔''

فتاویٰ مظاہر العلوم میں ہے:

''مکھی غیر ذی دم مسفوح ہے، لہٰذا جب سالن میں گر جاتی ہے تو اس کے مرنے سے سالن ناپاک نہیں ہوتا۔ لہذا اس سالن کا کھانا شرعاً جائز قرار پایا، اور چونکہ مکھی منجملہ خبائث کے ہے اور تمام خبائث کا کھانا حرام ہے، لہٰذا مکھی کا کھانا اور کھلانا حرام ہوگا۔ (۱)

اگر چہ کھانے پینے کی اشیاء میں اس رنگ کا استعمال اب عام ہے، مگر اس کی بڑی وجہ اس رنگ کی اصلیت سے لوگوں کی بے خبری اور ناواقفیت ہے۔ جن لوگوں کو اس کی حقیقت اور حکم معلوم ہوگیا ہے، انہوں نے احتیاط برتنا بھی شروع کردی ہے۔ مغربی دنیا اگر دانستہ اس کا استعمال کررہی ہے تو ان کی طبائع کا اعتبار ہے اور نہ ہی ان کا عمل ہمارے لئے حجت ہے۔ مسلمانوں میں سے بھی جن لوگوں نے لذتِ کام و دہن کو مقصد زندگی بنالیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہر حد کو عبور اور ہر رکاوٹ کو پھلانگتے ہیں تو پھر غیروں سے کیا گلہ؟ کس بات کا شکوہ؟ ایسے لوگوں کے متعلق بس یہی کہا جاسکتا ہے:

﴿ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾۔ (الآیة) (۲)

ترجمہ:- ''چھوڑ دے ان کو کھالیں اور برت لیں اور امید میں لگے رہیں، سو آئندہ معلوم کرلیں گے''۔

---

۱) فتاوی مظاہر العلوم المعروف ب فتاوی خلیلیہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاکل والشرب، ص:۲۹۸، ج:۱، ط:مکتبۃ الشیخ، کراچی۔

۲) سورہ حجر آیت ۳ پ ۱۴۔

خبث کے علاوہ کوچنیل میں ایک اور وجہ بھی حرمت کی پائی جارہی ہے۔ پیچھے گذر چکا ہے کہ حشرات میں دم غیر مسفوح ہوتا ہے اور دم غیر مسفوح پاک تو ہے، مگر اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

بہشتی زیور میں ہے:

''مذبوح جانور کی گردن میں موضع ذبح پر جو خون لگا ہوتا ہے وہ دم مسفوح ہے، بلا دھوئے اور خون چھوٹے طہارت نہیں ہوسکتی۔ ہاں جو خون رگوں کے اندر یا جلد وغیرہ میں رہ جاتا ہے وہ غیر مسفوح ہے اور دفعاً للحرج کھانے میں بھی مضائقہ نہیں اور سوائے اس کے اور خون غیر مسفوح پاک تو ضرور ہیں، مگر داخلاً جائز نہیں، جیسے کوئی کھٹمل کا خون کھانا چاہے۔'' (۱)

''خبث'' اور ''دم غیر سائل'' کے علاوہ مذکورہ رنگ میں ''مضرت'' کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔ ایسے واقعات سامنے آئے ہیں جن میں مذکورہ رنگ کے استعمال سے لوگ الرجی اور دمہ کا شکار ہوئے ہیں۔ برطانیہ کی (HASCG) نامی تنظیم بچوں کے لئے اس رنگ کے استعمال کو منع کرتی ہے۔ (۲)

اگر چہ دمہ اور الرجی کا باعث بننے سے مذکورہ رنگ کا ''ضرر رساں'' ہونا ثابت ہوتا ہے، مگر ایسے واقعات تعداد میں کم ہیں، اس لئے ان سے صرفِ نظر کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اگر

---

۱) بہشتی زیور، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، نواں حصہ، ص: ۱۰۶، طبع: المکتبۃ المدینۃ، اردو بازار، لاہور، سن طباعت ۱۹۸۲ء۔

۲) Important E-Numbers to Avoid:
Some countries have displayed a more responsible attitude and, as you will see from the lists below, have banned certain substances.....Any substance marked with * means that it is derived from animals (mostly pigs(and should be avoided if a child has pork allergies.
Colourant E numbers banned in some countries:
www.safekids//:http.... red colour,Cochineal*E120
co.uk/enumberstoavoid.html. بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں

مضرت کے پہلو سے صرفِ نظر کرلیا جائے تو قانون ''سدّ باب'' کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ کیڑے مکوڑے ایسی مخلوق ہیں جن کی انواع دیگر جان داروں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ اس وقت لاکھوں کی تعداد میں کیڑوں کی انواع دریافت ہوچکی ہیں، جن میں سے ہزار بارہ سو کے قریب کیڑوں سے غذائیت بھی حاصل کی جارہی ہے۔ ''کوچنیل'' کو جائز کہنے کا مطلب ان سب کو ''سند حلت'' عطا کرنا ہے، کیونکہ جس بنیاد پر کوچنیل کو جائز کہا جائے گا، وہ بنیاد ان دوسرے کیڑوں میں بھی پائی جارہی ہے، بلکہ یہ دوسرے کیڑے خوراک کا ذریعہ ہونے کی بناء پر کوچنیل سے زیادہ حلت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ کوچنیل تو نہ دوا ہے، نہ غذا ہے بلکہ صرف رنگ کے حصول کا ذریعہ ہے۔

کوچنیل کی حلت کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہوسکتی ہے کہ ''اب اس کا استعمال عام ہے اور اس سے احتراز بہت مشکل ہے'' مگر صرف اس قدر کافی نہیں ہے، ساتھ یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہے کہ ''جن اشیاء میں یہ رنگ استعمال ہوتا ہے، وہ ہمارے معاشرے کی ضرورت

پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ:

2. Cochineal, Carminic acid, Carmines Red colour made from insects rarely used the HASCG recommends to avoid it, especially hyperactives, rhinitis sufferers, urticaria, asthmatics and aspirin cause of allergic reactions. Typical products includealcoholic beverages, dyed cheeses, puddings, icings, sweets, sauces, fizzy drinks, cakes, soups and pie fillings. Banned in US..http//:mbm.net. au/health /100-181.htm

The World Health Organisation has found that cochineal extract may cause asthma in some people. Others may see an allergic reaction. Starbucks-admits-St/ www.dailymail.co.uk/femail/article-2120796//:http rawberry-Frappuccino-contains-crushed-bugs.html

ہیں۔"وجہ یہ ہے کہ جو چیز معاشرے کی ضرورت ہو، اسے حرام کہنے سے لوگ سخت تنگی میں پڑ جاتے ہیں، ایسے موقع پر اہل علم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ غور کریں کہ:

۱) واقعی ضرورت ایک حقیقی ضرورت ہے؟

۲) اور اس کا کوئی جائز متبادل موجود ہے یا نہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ رنگ بہ حیثیت رنگ ہونے کے کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے۔شاید ہی کوئی انسان کسی کالے پیلے یا سرخ نیلے کا محتاج ہو۔اور اگر واقعتا کوئی رنگ ہماری ضرورت ہو تو پہلے جائز طریقے سے ضرورت پوری کرنی کوشش کی جائے گی۔کوچنیل کا جائز متبادل موجود ہے۔سرخ رنگ چقندر اور انگور وغیرہ کئی اشیاء سے کشید کیا جاتا ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوچنیل میں تیز سرخی ہوتی ہے۔مگر اس تیزی کا فائدہ کیا ہے؟ یہی کہ اس سے پروڈکٹ خوش رنگ اور خوش نما معلوم ہوتا ہے اور انسان کے جمالیاتی ذوق کی تسکین ہوتی ہے۔مگر حسِ لطیف کی تسکین، نظر کی عشرت اور باصرہ کی لذت کوئی شرعی ضرورت ہے؟ یقیناً جواب نفی میں ہے۔

اس تفصیل کے بعد آپ کے سوالات کا مختصر جواب یہ ہے کہ:

۱) کوچنیل سے حاصل کردہ رنگ پاک ہے۔

۲) کھانے پینے میں کوچنیل کا استعمال ناجائز ہے۔

۳) میک اپ کے سامان میں کوچنیل کا استعمال جائز ہے۔

کتابیات

۱:۔ إحياء علوم الدين، أبو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالي الطوسي، نورانی کتب خانہ، طبع سوم

۲:۔ الاختيار لتعليل المختار، عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي، 3 ط: دار الكتب العلمية-بيروت/لبنان-1426ھ-2005ء۔

۳:۔ اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری، بابائے اردو مولوی عبدالحق، انجمن ترقی اردو ادب، کراچی، طبع جدید، ۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰ء۔

۴:۔ اوکسفرڈ انگلش اردو ڈکشنری، مترجم: شان الحق حقی، ص: ۲۰۲۷، ط: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، اشاعت دوم، ۲۰۰۳ء۔

۵:۔ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، زين الدين بن ابراهيم بن محمد المعروف بابن نجيم متوفی ۹۷۰ھ، ط: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔

۶:۔ البحر المحيط، محمد بن يوسف الشهير بأبي حيان الأندلسي، دار الفكر۔ بيروت، 1420ه۔

۷:۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانی (المتوفی: 587ھ) دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷ء۔

۸:۔ بہشتی زیور، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، الکمتبۃ المدینۃ، اردو بازار، لاہور، سن طباعت ۱۹۸۲ء۔

۹:۔ بیان القرآن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، میر محمد کتب خانہ، کراچی۔

۱۰:۔ تنقیح الفتاوی الحامدیة، ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین دمشقی (۱۲۵۲ھت) ط: المکتبۃ الحبیبیۃ۔

۱۱:۔ الجامع لأحکام القرآن المعروف بتفسیر القرطبی، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بکر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفی: 671ھ)، سورۃ النساء، ط: دار عالم الکتاب، ریاض، 1423ھ/2003ء۔

۱۲:۔ الدر المختار مع ردالمحتار، محمد بن علی محمد الملقب بعلاء الدین المعروف بالحصکفی کتاب الحظر والاباحۃ ط: ایچ ایم سعید، کراچی، ۱۴۰۶ھ۔

۱۳:۔ رد المحتار علی الدر المختار، ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین دمشقی (۱۲۵۲ھت) ط: ایچ ایم سعید، کراچی۔

۱۴:۔ السعایة فی کشف ماشرح الوقایة، امام محمد عبدالحئی لکھنوی، متوفی ۱۳۰۴ھ، ط: سہیل اکیڈمی، لاہور۔

۱۵:۔ فتاوی عالمگیری، مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، طبع دوم، سن طباعت ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔

۱۶:۔ فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی المعروف بابن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ، ط: دار الفکر، بیروت۔

۱۷:۔ فتاوی مظاہر العلوم المعروف ب فتاوی خلیلیہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مکتبۃ الشیخ، کراچی۔

۱۸:۔ فتاوی رحیمیہ، مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ، ط: دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹ء۔

۱۹:۔ قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، پاکستان، طبع ششم، ۲۰۰۶ء، ص ۳۸۶۔

۲۰:۔ ماہنامہ فکر ونظر، نفاذ شریعت نمبر، سلطنت اور دین کا تعلق، سید سلیمان ندویؒ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء۔

۲۱:۔ المبسوط للسرخسي، شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، تحقيق: خليل محي الدين الميس، دار الفكر، بيروت، لبنان، طبع اول 1421ھ 2000ء۔

۲۲:۔ منصب امامت، شاہ اسماعیل شہیدؒ، مترجم حکیم محمد حسین علوی، طیب پبلیشرز، لاہور، اشاعت چہارم، ۲۰۱۱ء۔

۲۳:۔ الموسوعة الفقهية الكويتية، وزارت الاوقاف والشئون الاسلامية، كويت، ۱۴۲۷ھ۔

۲۴:۔ الهداية مع فتح القدير امام كمال الدين المعروف بابن الهمام، دار الكتب العلمية، بيروت، طباعت اول، ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۵ء۔

مکتبۃ السنان کراچی